اسوۂ حسنہ کے آئینے میں

سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

ناشر

مکتبۂ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع دوم

۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲ء

نام کتاب	:	اسوۂ حسنہ کے آئینے میں
تالیف	:	سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی
کمپوزنگ	:	شاہ نواز قمر ندوی
صفحات	:	۲۳۲
قیمت	:	۱۱۰/روپے

یہ کتاب

مولانا عبداللہ علاء الدین ندوی (ممبئی)

کے قیمتی تعاون سے شائع ہوئی

ناشر

مکتبۂ فردوس، مکارم نگر (برولیا)، ڈالی گنج، لکھنؤ

لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمدہ نمونہ موجود ہے''

(سورۂ احزاب-۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

دیباچہ طبع دوم	۷
عرض حال از مؤلف	۹
مقدمہ از جناب مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
ابتدائیہ: صاحب اسوۂ حسنہ کے عائلی ودعوتی حالات: ایک مختصر جائزہ	۱۶
سیرت کے اہم پہلو	۱۶
ابتدائی حالات	۱۶
مکی زندگی	۱۷
مدنی زندگی	۱۷
اسلام کا معجزہ	۱۸
آخری وصیت اور وفات	۱۸
ازواج مطہرات	۱۸
آل واولاد	۱۸
خلفائے راشدین وعشرۂ مبشرہ	۱۹
باب اول **عصر حاضر اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم**	
سیرت اکرم ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل کا حل	۲۲
لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة	۲۶
انسان کی تعمیر میں پیغمبر اسلام کی معجزانہ صلاحیت	۳۳

هو الذی أرسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق	۳۸
ہر دور جہالت میں اسلام کا دائمی پیغام	۴۲
سنة الله في الأرض ولن تجد لسنة الله تبديلاً	۴۶
راہ نبوت ایک اسلامی تحفہ	۴۹
کی محمدؐ سے وفا تو نے.....	۵۲
جاہلیت کی ایک سچی تصویر	۵۵
محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار	۵۹
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم	۶۳
کامیابی کا راز صرف طاقت نہیں	۶۹
ہجرت کا بنیادی مضمون	۷۴
زندہ قوم کی علامت	۷۸
دنیا کی زندگی کی اصل حقیقت اور اس کی بلیغ تمثیل	۸۲
رمضان کا آخری عشرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۸۶
عملی نمونہ اور مثالی زندگی	۹۰
اخلاق ایک لازوال طاقت	۹۸
باب دوم **چند فدائیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم**	
امین امت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ	۱۰۴
امین امت میدان جنگ میں	۱۰۷
حضرت عبداللہ بن رواحہ میدان عشق و جہاد کے شہسوار	۱۱۰
غزوۂ تبوک چند جھلکیاں اور حقائق۔	۱۳۶

باب سوم
سیرت طیبہ ادب اور تاریخ کے آئینے میں

مسنون دعاؤں میں اب کی جلوہ گری	۱۴۲
ہندوستان میں عربی زبان میں فن سیرت نگاری کا ارتقاء	
سیرت نبوی اور انسانیت پر اس کا ناقابل فراموش احسان	۱۶۶
قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور سیرت نگاری میں ان کا درجہ	۱۸۱
معاندین اسلام کی سازش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف	۱۹۸
حدیث نبوی کے قصے اور ان کا ادب	۲۰۴
سیرت طیبہ کا پیغام عام مسلمانوں کے نام	۲۱۵
عصر حاضر میں مطالعۂ سیرت کی اہمیت	۲۲۹

دیباچہ طبع دوم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين ، أما بعد :

اللہ تعالی کا ہزار ہا شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھ ناچیز کو سیرت نبوی پر ایک کتاب آج سے تقریباً بارہ سال قبل پیش کرنے کے توفیق عنایت فرمائی، وہ کتاب کیا تھی؟ بس چند مقالات تھے جن کو جمع کر کے کتاب کی صورت میں منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل ہوئی، ماشاء اللہ وہم وگمان سے زیادہ اس کتاب کو علمی ودینی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، محبین نے ہمت بڑھائی، اور حوصلہ افزا کلمات کہے فجزاهم الله خير الجزاء۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھ کی کتابت پر شائع ہوا تھا، ادھر کئی سالوں سے اس کی مانگ بھی زیادہ تھی، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ کچھ اضافہ کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا جائے، اور یہ ایڈیشن از سر نو کمپیوٹر سے کمپوز شدہ بھی ہو، تاکہ قارئین کے ذوق اور معیار کے مطابق ہو، بحمد اللہ برادر عزیز ومکرم مولانا محمد فرمان ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) نے تصحیح واضافہ کے ساتھ اس کو شائع کرنے میں پوری معاونت کی جو لائق شکر ودعا ہے، جزاه الله خيرا كثيرا في الدين والدنيا والآخرة ، عزیزی مولانا عطاء الرحمٰن اعظمی ندوی نے پروف کی تصحیح میں ہاتھ بٹایا اور خود ناچیز نے شروع سے آخر تک کمپوز شدہ مسودہ کو پڑھا، بھائی مولانا عبد اللہ علاء الدین ندوی (ممبئی) نے طباعت کے سلسلے میں بیش قیمت تعاون کیا، جو لائق صد مبارکباد عمل ہے، وہ دینی کاموں کے فروغ کے سلسلے میں بڑا حوصلہ

رکھتے ہیں، اللہ تعالی ان کے اس عمل کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔

سیرت رسول اکرم پر بڑی علمی اور ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ کوئی ایک مختصر کتاب کی ضرورت محسوس کر کے مناسب معلوم ہوا کہ حالات کے لحاظ سے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ الفاظ قلم بند کر دیئے جائیں تا کہ سرسری طور پر اسکی بنیادی اہمیت وعظمت کا علم ہو سکے۔ اللہ تعالی ہم تمام لوگوں کو توفیق خاص سے نوازیں۔

۲۲/۷/۱۴۳۳ھ
۱۱/۶/۲۰۱۲ء

راقم الحروف
سعید الأعظمی ندوی
مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء

عرض حال

الحمد لله كفى وسلام على عباده الذين اصطفىٰ، أما بعد :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور حیارت مبارکہ کسی واقعے یا کسی قول کو زبان سے بیان کرنا، یا قلم کے ذریعے احاطۂ تحریر میں لانا ایک عظیم سعادت ہے۔ امت کے علماء اور مؤرخین نے اپنے اپنے زمانے میں اور اپنے علمی ذوق کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں نبیٔ آخرالزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق کا اظہار کیا ہے۔ اہل زبان نے تقریروں اور بیانات کے ذریعہ سیرت طیبہ کے واقعات پیش کئے ہیں اور اہل قلم نے مبسوط و مفصل یا مختصر اور منتخب حالات پر کتابیں لکھی ہیں۔ اہل درس وتدریس نے احادیث کی کتابوں پر بحث کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال اور ارشادات واشارات کو تحقیق ومطالعے کی روشنی میں پیش کر کے اسلامی کتب خانے میں مزید اضافہ کیا ہے۔ یہ عمل اسلامی تاریخ کی ابتدا سے آج تک تسلسل کے ساتھ قائم رہا ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ ہر شخص نے اپنی استعداد اور اپنے امتیاز کے مطابق اس عطر بیز سیرت اور اس کی روح پرور خوشبو سے مشام جاں معطر کیا ہے۔ شاعروں نے مدحیہ قصائد اور نعتیہ کلام کا تحفہ امت کو پیش کیا ہے۔ انشا پردازوں نے اپنے خاص اسلوب میں ان خوشبوؤں کو پھیلایا ہے، اور سیرت نگاروں نے اس پاکیزہ زندگی کے تمام جزئیات وکلیات تفصیل کے ساتھ ضخیم جلدوں میں بیان کیا ہے۔ اور اسوۂ حسنہ کی نہایت دل کش انداز اور تاریخی حقائق کی روشنی میں تعریف وتشریح کی ہے، اور "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة" کے مفہوم کو خوبصورت اور مؤثر انداز میں امت کے سامنے پیش کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہی وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کی چمک دار اور

طاقت ور روشنی مسلمانوں کی زندگی کے تمام گوشے ہمہ دم منور رکھتی ہے، اور زمان ومکان کے اختلاف کے باوجود اس کے دریائے جود وسخا میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی۔

ابتدائے طالب علمی سے میری یہ تمنا ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض رحمت کا کوئی قطرہ اور ان کے بحر مواج کا کوئی صدف مجھے بھی حاصل ہو جائے اور میں بھی چند لفظوں کا کوئی گل دستہ سجا کر رحمۃ للعالمین کے غلاموں کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل ہو سکوں، بالکل اسی طرح جس طرح بازار مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لئے ایک بڑھیا اپنے کاتے ہوئے سوت کو لے کر خریداران یوسف کی صف میں کھڑی ہو گئی تھی۔

میں نے مختلف مواقع پر سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر کبھی عربی میں، اور زیادہ تر اردو میں لکھنے کی کوشش کی تھی، انہیں مضامین کو یکجا کرنے کی تمنا پوری ہو رہی ہے۔ اس کا نام ''اسوۂ حسنہ کے آئینے میں'' رکھا گیا ہے۔ خدا کرے اسم با مسمی ہو۔

اس مختصر سی کتاب میں سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ سیرت نگاری کے فن میں شہرت پانے والے رحمۃ للعالمین کے مصنف مولانا محمد سلیمان منصور پوری اور ان کی کتاب کی خصوصیات پر ایک مفصل مضمون ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں، ہندوستانی علماء کی سیرت نگاری کے ذکر پر مشتمل ایک دوسرا مضمون بھی شریک اشاعت کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعروں میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اور ان کی شعری خصوصیات نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوعبیدہ بن جراح جن کو امین امت کا لقب اور لشکر اسلام کی قیادت کا مرتبہ عطا فرمایا گیا تھا۔ اور جو سیرت طیبہ کی ایک اہم کڑی اور تاریخ اسلام کا ایک روشن باب بن کر چمکے، ان دونوں حضرات کا تذکرہ بھی کتاب کی زینت ہے، اخیر میں سیرت کے ایک بڑے جلسے میں اس موضوع پر کی گئی ایک برجستہ تقریر بھی شریک اشاعت کی گئی ہے، اس کا عنوان ہے: ''سیرت طیبہ کا پیغام عام مسلمانوں کے نام''۔

یہ کتاب تاریخی تسلسل سے ہٹ کر محض موضوع کی مناسبت سے چھوٹے بڑے مضامین پر مشتمل ہے، اس میں بعض عربی مضامین کا ترجمہ بھی شامل ہے۔

میں نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی (رحمہ اللہ) سے درخواست کی تھی کہ اس مجموعۂ مضامین کے لئے کچھ دعائیہ کلمات تحریر فرمادیں، تاکہ وہ کتاب کی قیمت میں اضافے کا باعث ہوں، حضرت الاستاذ نے میری درخواست منظور فرماکر ازراہ شفقت نہایت قیمتی مقدمہ تحریر فرمادیا۔ جس نے نہ صرف کتاب کی قدر ومنزلت بڑھادی، بلکہ خاکسار مرتب کی عزت کو بھی چار چاند لگادیا۔

فجزاهم الله أحسن مايجزى به عباده المؤمنين۔

جن عزیز بھائیوں نے ترجمے اور ترتیب وطباعت کے مختلف مرحلوں میں مدد کی ہے، ان کا میں صمیم قلب سے شکر گذار ہوں۔ خاص طور سے مولانا محمد ابراہیم ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولوی ارشاد احمد اعظمی ندوی، انچارج مکتبہ کلیۃ اللغۃ العربیۃ اور مولوی اختر سہیل، انچارج دفتر البعث الاسلامی نیز مولانا خالد فیصل ندوی، عزیزی محمد شاہد مبین سلمہ اور عزیزم مولوی محمد ذکوان ندوی سلمہ کا جنہوں نے کتابت کی ذمہ داری قبول کی اور اسے بحسن وخوبی انجام دیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو جزائے خیر سے نوازیں اور اس مختصر سی کتاب کو دینی نفع اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے کسی درجے میں تعلق ومحبت اور اتباع سنت واطاعت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
۲۲ جولائی ۲۰۰۰ء

سعید الرحمٰن الاعظمی
مدیر: ''البعث الاسلامی''
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين وسلام الله على سيدالمرسلين خاتم النبيين سيدنا ومولانا محمد النبي الصادق الأمين۔ أمابعد!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے شیفتگی اور عقل ووجدان کی وابستگی ہم مسلمانوں کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔ اور تاریخ اسلام کے ہر دور میں علمائے کرام نے عقیدت ومحبت کے گل دستوں سے کاشانۂ نبوت کے درودیوار سجائے ہیں، آپ کے لائے ہوئے دین پر جان و مال، عزت وآبرو، دنیوی عیش وراحت سب کچھ قربان کیا ہے، اور آپ کے نام نامی کی حرمت وعظمت باقی رکھنے کے لئے جب ضرورت پڑی ہے، اپنی جان یہ کہتے ہوئے پیش کی ہے کہ..... ؎

جان نذر محقر است حافظ
از بہر نثار خوش نباشد

الحمدللہ یہ جذبۂ جاں سپاری آج بھی قائم ہے۔ مسلمان اقتصادی لحاظ سے پستی کے شکار ہیں، دنیوی سیاست کی بساط پر ان کے ہر مہرے مات کھا چکے ہیں، اخلاقی کمزوریاں ان کے معاشرے میں جگہ بنا چکی ہیں، جہل وافلاس، بے مائیگی وبے عملی میں کسی پست سے پست قوم سے بلند نہیں، تمام علمی جائزے بتاتے ہیں کہ ان کو اب تک تاریخ کے دھندلکوں میں غائب ہوجانا چاہئے تھا، مگر دنیا کا مشاہدہ یہی ہے کہ یہ اب تک سانس لے رہے ہیں، اپنا وجود ثابت کئے ہوئے ہیں، باطل کی آندھیوں اور طوفانوں کے درمیان اسلام کا چراغ روشن کئے ہوئے ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ اگر چہ ان کے اندر سے سب کچھ مٹ چکا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عقیدت ووابستگی نہیں مٹ سکی ہے، مسلمان برے سے برا سہی، بدعمل اور بے کردار سہی لیکن اگر اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر پکارا جائے تو اس کے اندر زندگی اور حرارت کا خون دوڑنے لگتا ہے۔

مسلمانوں کے اندر اس حس کو باقی رکھنے اور اس تعلق کو زندہ رکھنے کا کام علمائے ملت نے کیا ہے۔ ان کا کام بہت محنت طلب بھی رہا ہے کہ ایک طرف عقیدۂ توحید پر قائم رکھیں، خالق ومخلوق، عبد ومعبود کے رشتے کو فراموش نہ ہونے دیں، تو دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے وابستگی کو پختہ سے پختہ تر کرتے رہیں۔ یہ کام الحمدللہ تمام مسلم درسگاہوں نے انجام دیا ہے۔ ہر مدرسے کی زینت قال اللہ اور قال الرسول سے رہی۔ صرف زینت ہی نہیں بلکہ ہر مدرسے کا حاصل یہی نام نامی ہے

خوشا مسجد و مدرسہ و خانقا ہے
کہ در وے بود قیل وقال محمد

ندوۃ العلماء کے دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں توفیق خاص سے نوازا ہے۔ سیرت النبی پر جو خدمت اس درسگاہ کے منتسبین سے لی، وہ اللہ کا احسان عظیم ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے لے کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس موضوع پر اپنا گہرا نقش چھوڑا ہے۔

پیش نظر کتاب اسی درس گاہ کے ایک قابل فخر فرزند، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کے جذبۂ ایمانی اور سرمایۂ محبت کی علامت ہے۔ یہ سیرت نبوی پر ان کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ روایات وواقعات کی صحت زر خالص کے مانند ہے:

هجان الحي كالذهب المصفى
صبيحة ديمة يجنيه جان

پھر انداز بیان میں جوش ہے، محبت ہے، عقیدت وادب کا ایک آبشار ہے، خطابت وبلاغت کا شاہ کار ہے۔

مولانا سعید الرحمٰن صاحب کے والد ماجدؒ حدیث نبوی کے استاذ تھے، اور حدیث شریف کا موضوع ذات گرامی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی! اس طرح وراثت میں آپ کو حب نبوی کی دولت ملی ہے۔ آپ نے ڈاکٹریٹ شعراء رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت کعب بن مالک الانصاری، حضرت حسان بن ثابت الانصاری، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمی رضی اللہ عنہم کے کلام پر کیا ہے۔

کئی سال کے شب وروز کی دیدہ ریزی سے یہ سرمایۂ علم وادب کی ڈالی سجا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں پیش کر چکے ہیں۔

ان شعرائے آستانۂ نبوت کی صحبت وخدمت کا شرف حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب وبلاغت کی اونچی کتاب پڑھتے پڑھاتے طبیعت میں رچ جانے والی ایک کیفیت پیدا ہوگئی وہ حب نبوی سے عبارت ہے۔

موصوف الحمدللہ ملک کے باہر عرب ممالک کے علمی حلقوں میں معروف ہیں، پینتالیس (۱) سال سے "البعث الإسلامی" کی ایڈیٹری کر رہے ہیں، ہزاروں صفحے عربی میں لکھ چکے ہیں۔ ان کی تحریریں عرب ممالک میں مقبول ہیں۔ ندوے کی جامع مسجد کے امام وخطیب ہیں۔ ان کے جمعے کے خطبے حرم بیت اللہ اور حرم نبوی شریف میں دیئے جانے والے خطبوں کی یاد دلاتے ہیں۔ اوقات کی پابندی کا اس درجے اہتمام رکھتے ہیں کہ مسجد کے مصلی ان کی آمد پر اپنی گھڑی ملالیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے عزیز ترین اور قابل اعتماد شاگردوں میں ان کا شمار ہے۔ حضرت کی وفات کے بعد جب جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی،

---

(۱) اب سال ۲۰۱۲ء میں ۵۷ سال پورے ہو چکے ہیں، اور الحمدللہ ۵۸ ویں سال کی شروعات ہو چکی ہیں، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

ندوے کے ناظم منتخب ہوئے، تو ان کی جگہ پر مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء نے انہیں مہتمم منتخب کیا۔ اور الحمدللہ بڑی محنت اور لگن سے یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں قوت وصحت سے سرفراز فرمائے۔ آمین!!

پیش نظر مقالات سیرت، جس کا نام ''اسوۂ حسنہ کے آئینے میں'' رکھا ہے، اصلاحی و دعوتی مضامین پر مشتمل ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمام انسانوں کے لئے ایک ایسا نمونہ ہے، جس کی پیروی کی جاسکے، اسی کو اسوۂ حسنہ کہتے ہیں۔ اور یہی فرق ہے اسلام کی دعوت دینے والے رسول اور جوگیانہ فلسفے کے علم برداروں میں کہ ان کی پیروی ناممکن ہے۔ کیوں کہ وہ حدود بشریت سے بہت دور ہیں، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ممکن ہے کیونکہ وہ بشریت کے تمام فضائل وخصائص سے معمور ہیں۔

فاضل مصنف نے آخر میں قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی رحمة للعالمین اور اپنے استاذ مخدوم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی "السیرة النبویة" پر علیحدہ علیحدہ دو تاثراتی و تجزیاتی مقالے بھی اس مجموعے میں شامل کئے ہیں، جو فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔

بارك الله في علمه و عمله، وبارك في حياته و مسعاه۔

بندۂ فقیر

عبداللہ عباس ندوی

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

۲۴ جولائی ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

صاحب اسوۂ حسنہ کے عائلی ودعوتی حالات

ایک مختصر جائزہ

سیرت کے دو اہم پہلو:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دو پہلو ہیں، ایک پہلوان کی ولادت سے لے کر وفات تک ہے، دوسرا پہلوان کے فضائل اور محاسن کا ہے، سیرت نگاروں نے دونوں پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، ذیل میں ان کے ذاتی حالات سے متعلق کچھ معلومات نذر قارئین کی جارہی ہیں، تاکہ اس پہلو سے بھی ہر خاص وعام واقف ہو اور عملی زندگی میں اس سے کما حقہ استفادہ کر سکے۔

ابتدائی حالات:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۲۱/اپریل ۵۷۱ء پیر کے دن ہوئی، آپ کے والد کا نام عبداللہ، دادا کا نام عبدالمطلب، نانا کا نام وہب، دادی کا نام فاطمہ، نانی کا نام برہ تھا، آپ کے والد دس بھائی تھے:

عباس، حمزہ، ابولہب، ابوطالب، زبیر، حارث، مقدم، حجل، ضرار، قثم۔

آپ کی ولادت سے کئی ماہ قبل آپ کے والد کی وفات ہوگئی تھی، چھ سال کے بعد والدہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئی، آپ کی چھ پھوپھیاں تھیں: ام حکیم، عاتکہ، برہ، امیمہ، اروی، صفیہ۔

بچپن میں آپ کی والدہ نے آپ کو دودھ پلایا، پھر ابولہب کی باندی ثویبہ نے، پھر حلیمہ سعدیہ کے حصے میں یہ سعادت آئی، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوسعد کے قبیلے میں ایک وقت گذارا۔

مکی زندگی:

جب آپ کی عمر پچیس سال کی ہوئی، تو حضرت خدیجہ سے آپ سے نکاح ہوا، ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی، ان کے والد خویلد اپنی قوم میں بلندی اور احترام کے مرتبہ پر فائز تھے، ان کی ماں حضرت فاطمہ بنت زائدہ تھیں، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے پہلے ابوہالہ سے شادی کی تھی، ان کا اصل نام ہند بن زرارہ النباش تھا، قبیلۂ تمیم کے رہنے والے تھے، ان کے اس شوہر سے دو بچے ہوئے، ایک کا نام ہند اور دوسرے کا نام ہالہ تھا، پھر انہوں نے عتیق بن عابد سے شادی کی، ان سے ایک بیٹے محمد اور بعض اقوال کے مطابق ایک بیٹی جاریہ پیدا ہوئی۔ حضرت خدیجہ کی ولادت عام الفیل سے پندرہ سال پہلے ہوئی تھی، اور وفات سنہ ۱۰ نبوی میں ہوئی۔

چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، پہلی وحی إقرا باسم ربك الذی خلق...... کی شکل میں نازل ہوئی، ابتدا میں اسلام لانے والے چار افراد تھے: حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، زید بن حارثہؓ، اور پانچوے فرد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تیرہ سال آپ ﷺ نے مکہ میں گذارا، اس دوران سخت ترین حالات آئے، شعب ابی طالب کا محاصرہ، عام الحزن، طائف کا سفر، قریش کی وقتاً فوقتاً ایذا رسانیاں، اس کے لئے باقاعدہ کمیٹیوں کی تشکیل، یہ تمام وہ حالات ہیں جو اس دور کی سرخیاں ہیں۔

مدنی زندگی:

پھر آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کی، ہجرت کے بعد وہاں ایک اسلامی معاشرہ قائم کیا، مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی، اصحاب صفہ کی درسگاہ قائم ہوئی، دشمنوں کی ایذا رسانیوں کو روکنے کے لئے دفاعی جنگیں ہوئیں، جن میں غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، غزوۂ بنی قریظہ،

غزوۂ بنونظیر، غزوۂ موتہ، فتح مکہ اور غزوۂ تبوک پیش آئے۔ اسی درمیان آپسی تعارف کے لئے صلح حدیبیہ کے نام سے ایک تاریخ ساز معاہدہ بھی ہوا، جس میں فریقین کو جنگ سے باز رہنے کے لئے دس سال کی مدت طے کی گئی، غزوات کے علاوہ مدینہ کے زمانہ قیام میں غیر معمولی وفود کی آمد ہوئی، جن سے حلقۂ اسلام کو بڑھنے میں مدد ملی۔

اسلام کا معجزہ:

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی تعداد پانچ تھی، لیکن حجۃ الوداع کا موقع ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، یہ صرف رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شب وروز دعوت کے سلسلے میں محنت وکوشش کا نتیجہ تھا۔

آخری وصیت اور وفات:

حجۃ الوداع کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت متاثر رہی، آپ نے مرض کے زمانہ میں کئی وصیتیں کیں، جن میں آخری وصیت نماز اور ماتحتوں کی ساتھ حسن سلوک کی تھی، فرماتے تھے: الصلاۃ وما ملکت أیمانکم، (دیکھو نماز کا اہتمام رکھنا اور اپنے ماتحتوں اور غلاموں کا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہجرت کے گیارہویں سال ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن ترسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوئی۔

ازواج مطہرات:

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں خدیجہ بنت خویلد، سودہ بن زمعہ، عائشہ بنت ابی بکر، حفصہ بن عمر بن الخطاب، ہند بنت ابی امیہ، زینب بنت جحش، جویریہ بنت الحارث، صفیہ بنت حیی، رملہ بنت ابی سفیان، میمونہ بنت الحارث ہلالیہ، ماریہ قبطیہ، ریحانہ بنت عمرو ہیں۔

آل واولاد:

آپ کی چار صاحبزادیاں اور کئی صاحبزادے تھے۔ آپ کے صاحبزادوں کے نام اس طرح ہیں:

حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت ابراہیم، حضرت طیب طاہر۔

(البدایہ والنہایۃ: ج۵، ص۳۰۷)

بڑی صاحبزادی حضرت زینب تھیں جن کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے ہوا، دوسری صاحبزادی رقیہ تھیں جن کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ سے ہوا، تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم تھیں جن کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ سے ہوا، چوتھی فاطمہ بنت الزہراؓ تھی جن کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔ حضرت فاطمہ سے کئی بچے پیدا ہوئے، حضرت حسن (ہجرت کے تیسرے سال)، حضرت حسین (ہجرت کے چوتھے سال)، محسن (ولادت کے وقت ہی وفات پا گئے)، ام کلثوم و زینب۔

خلفائے راشدین و عشرۂ مبشرہ:

خلفائے راشدین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؓ ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں ان چار کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابوعبیدہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں۔

☆☆☆

باب اول

عصر حاضر
اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور عصر حاضر کے مسائل کا حل!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دراصل تمام مسلمانوں کے لئے روشنی کا بلند اور عظیم الشان مینار ہے، جس کے ذریعہ وہ جاہلیت، غفلت اور گمراہی کی تاریکیوں کے ماحول سے رشد و ہدایت اور عزت و سرفرازی کے وسیع میدان میں پہونچ سکتے ہیں، اور ایک کشادہ شاہراہ پر گام زن ہو سکتے ہیں، آج بھی اگر مسلمان اپنی کمزوری، بے بسی اور غلامی کے اسباب تلاش کریں اور اپنی ذلت و مسکنت، اور رسوائی نیز باہمی عدم تعاون اور پسماندگی کا راز معلوم کرنا چاہیں تو ان تمام چیزوں کا بنیادی سبب اور اصل راز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نشان راہ سے انحراف اختیار کرنے میں مضمر نظر آئے گا، جسے آپ واضح اور تابناک بنا کر اس دار فانی سے رخصت ہوئے تھے، مسلمان آج بھی اپنی اور اپنی ملت کی کمزوری کے اسباب تلاش کر سکتا ہے، وہ اگر بنظر غائر اس کا جائزہ لے تو اس کو یہ کمزوریاں اپنے کردار، اپنی سیرت اور طرز زندگی میں محسوس طور پر نظر آئیں گی، جو اس کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہے اور اس کو اصل الاصول کی حیثیت سے اپنائے ہوئے ہے۔ یہ طرز حیات اور روش سیرت نبوی سے مختلف اور بسا اوقات متعارض و متضاد بھی ہے، اس کردار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے کوئی تعلق نہیں، وہ کردار نبوت جس کا خاکہ آپ نے قولی و عملی حیثیت سے اپنی زندگی میں پیش کیا ہے۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنجیدہ اور ٹھوس لہجے میں ببانگ دہل یہ اعلان نہیں فرما دیا: ''تم میں کا کوئی شخص اس وقت تک حقیقی اور کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی تمام خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائیں''۔ ایک دوسرے موقعہ پر آپ کا ارشاد گرامی ہے: ''تم میں سے کوئی بھی مومن کامل قرار نہیں دیا جائے گا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چیز نہ پسند کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے''۔ ان دونوں حدیثوں میں غور وفکر کرنے سے مندرجہ ذیل سوالوں کا تشفی بخش جواب ملتا ہے:۔

☆ ہم ایمان ویقین کے اعتبار سے کیوں کمزور ہیں جب کہ ہمارے دشمن ہر اعتبار سے طاقت ور ہیں۔

☆ ہم زوال وانحطاط اور پسماندگی کا شکار کیوں ہیں جب کہ وہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ اور کارزار حیات میں پیش رفت ہیں۔

☆ ہم نصرت وتائید خداوندی سے کیوں محروم ہیں۔

☆ ہم لایعنی اور اپنی شان سے فروتر چیزوں میں کیوں مصروف ہیں۔

☆ ہم باہم دست وگریباں کیوں ہیں جب کہ دشمنان اسلام محبت والفت اور تعاون باہم کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔

یہ اور اس طرح کے بے شمار سوالات کا انتہائی بہتر اور اطمینان بخش جواب ان دونوں حدیثوں میں موجود ہے۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ مسلمان ہوا پرستی میں مشغول، خواہشات نفس کے سامنے سرنگوں ہیں، اور وہ اس حقیقت کو یا تو یکسر بھول گئے ہیں، یا نسیان کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ''کہ ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا، جب تک دین محمدی اور پیغام خداوندی کی مکمل پیروی نہ کرنے لگیں''۔ بایں معنی کہ کچھ بھی ہو جائے، کیسے بھی حالات پیدا ہو جائیں، دنیا کے ارزاں مال و متاع اور خواہشات نفس، ضروریات زندگی سے دین کے مقابلے میں یکسر نظریں پھیر لیں، ہوی وہوس سے مغلوب نہ ہوں، ان کے دلوں تک پہونچنے کا شیطان کو کوئی موقعہ نہ ملے، ان

کے سینوں میں اغراض اور مفاد پرستی کا کوئی گزر نہ ہو، اس لئے کہ وہ متبعین رسول ہیں نہ کہ خواہش ونفسانیت کے اطاعت گزار اور اغراض اور خواہش نفس کے غلام۔

لیکن مسلمان اپنی قدیم روش پر باقی نہ رہے، جو پاک طینتی، پاک بازی، احتیاط، تقویٰ، خدا اور رسول خدا سے سچی محبت، ایمان کامل، اور حقیقت ایثار وقربانی سے عبارت ہے، بلکہ حق بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سیرت پیش کی، اور جس کے ذریعہ لوگوں کو ہلاکت وبربادی کے گڑھے سے، (جس کیطرف بڑی بے تابی اور برق رفتاری سے بڑھ رہے تھے) نکال کر روشنی کے کشادہ وپرامن راستے پر لا کھڑا کیا، مسلمانوں نے اس سیرت سے بے اعتنائی برتی اور غیروں نے اس کے بڑے حصے کو کسی دوسرے عنوان سے اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔

مسلمانوں کی ذلت ورسوائی، شکستگی اور بلندی کے بجائے پستی، متاع عزوشرف کے بجائے اسباب شقاوت، بے بہا دولت اسلام کے بدلے حقیر اور معمولی چیزوں کو اختیار کر لینے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟۔

کیا مسلمان اپنی تمام خواہشات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع کئے بغیر عزت وسربلندی اور سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ جذبۂ ایثار وقربانی کے بغیر قوموں میں قبول عام حاصل کرنے کی آرزو رکھتے ہیں؟ کیا وہ فتح ونصرت کی توقع رکھتے ہیں، جب کہ وہ دشمنان اسلام کی حاشیہ برادری میں مشغول اور ظلم وزیادتی کرنے والوں کی ہم نوائی میں مصروف ہیں؟ کیا وہ رحمت الٰہی کے مستحق ہوسکتے ہیں جب کہ وہ غیروں کے لطف وکرم کی امید میں سراپا انتظار بنے ہوئے بیٹھے ہیں؟!۔

کیا مسلمان زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلامی تعلیمات کو از سر نو نافذ نہیں کریں گے؟ کیا وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر سے اپنے سینے سے لگا کر اپنا رہنما ومقتدیٰ اور تاریک زندگی کے لئے شمع ہدایت قرار دے کر اپنی پوری زندگی اور سارے معاشرے میں اس کو عملی جامہ نہیں پہنائیں گے؟۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بلاکم وکاست اپنی پوری

جامعیت وکمال کے ساتھ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ لہٰذا اس کا از سرنو اور باندازنو مطالعہ کرنا ضروری ہے، اور اس کی روشنی میں زندگی گزارنے کا شوق انتہائی لازمی امر ہے۔

صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی پوری زندگی مکمل طور پر ہمارے سامنے ہے، جنہوں نے سیرت نبوی کو حرز جاں بنایا اور ہر حال میں اس کی پیروی کی، ہمیں ان کی زندگیوں میں غور وفکر کی ضرورت ہے، تاکہ اس ذخیرہ نایاب میں کوئی جوہر آب دار ہم کو دستیاب ہو جائے اور ہماری زندگی کا نقشہ یکسر بدل جائے، اور تاریخ کا رخ یک لخت مڑ جائے اور وہ ایک نئی اسلامی تاریخ کے آغاز کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

ذرا سنو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر پرزور و پرشور انداز سے خطاب فرما ہیں اور ہمیں ایک اصول کی تلقین فرما رہے ہیں:

"علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین، عضوا علیها بالنواجذ"

''اے لوگو! میری سنت، اور توفیق یافتہ خلفائے راشدین کے طریقۂ حیات کو سینے سے لگالو، اور اس پر مضبوطی سے کاربند ہو جاؤ!۔''

☆☆☆

لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة

(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ذات وصفات، سیرت وکردار) میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے فوراً بعد سب سے پہلا اہم کام جو سرانجام دیا، وہ یہ تھا کہ آپ نے انسانی معاشرے کا زاویہ حیات درست فرمایا اور غلط رخ سے موڑ کر صحیح رخ دے دیا، لوگوں کو انسانیت کا سبق پڑھایا، اور یہ احساس دلایا کہ انسانیت دراصل پروردگار دوجہاں کی بندگی اور اس کے حضور میں مکمل فروتنی کی بنیاد پر قائم ہے، اور اس حقیقت کو ذہن نشیں کرایا کہ چھوٹے بڑے محتاج وغنی، فقیر ومالدار، حاکم ومحکوم، بلند وپست بلا امتیاز وتفریق اس بندگی وعبودیت کے مفہوم میں برابر شریک ہیں۔ لہٰذا تمام بنی نوع انسان سب سے پہلے اللہ کے بندے ہیں، اور عبودیت ہی تنہا ایسا رشتہ ہے، جس سے تمام لوگ ہر حال میں منسلک ہیں، چنانچہ اب یہاں کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جس کی بنیاد پر کسی شخص کو دوسرے پر فضیلت وامتیاز حاصل ہو، نہ عزت وشرافت، نہ ریاست وحکومت، نہ مال وجاہ اور نہ دوسرے مادی پیمانے ہی، اور جب بھی لوگوں نے اس پیمانہ ونہج کو چھوڑا اور زندگی کے اس زاویے سے منہ موڑا مختلف قسم کی اور نت نئی فکری اور اخلاقی خرابیوں کا شکار ہو گئے، اور خود جاہلیت کی حقیقت ہی یہ تھی کہ انسان نے اس بنیادی نقطے کو کھو دیا تھا جہاں انسان اپنے پروردگار، برادران اور اپنے خاندان سے مل جاتا ہے اور خدا اور بندگان خدا کے حقوق سے آشنا ہو جاتا ہے۔

اسی احساس وشعور کو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے اور اس کی اصل حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور عرب کے معمول کے مطابق کسی عظیم خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے آپ نے آواز لگائی

(یا صباحاہ!) خبردار، ہوشیار باش! یہ کام (عرب اس وقت کیا کرتے تھے جب کسی بڑے خطرے سے لوگوں کو آگاہ کرنا مقصود ہوتا، اور اس وارننگ کے بعد ہر چھوٹے بڑے لبیک!! کہتے ہوئے مدد کے لئے یکجا ہو جاتے) چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ حکم ربانی جبل صفا کی چوٹی سے یہ ندا لگائی تو سارے لوگوں نے بلا تفریق مذکر و مؤنث اور خورد و کلاں، آپ کی آواز پر لبیک کہا اور آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، آپ نے فرمایا: اے! فرزندان عبدالمطلب، اے ہونہاران کعب! اور اے فہر کے سپوتو! ذرا بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس کوہ کے دامن میں شہسواروں کا ایک دستہ ہے جو تم پر شب خوں مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: بیشک! آپ نے فرمایا: میں تمہیں آنے والے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، قوم کے دانش منداور دور اندیش حقیقت حال تک پہونچ گئے اور سر پر منڈلا رہے خطرے کو تاڑ گئے، لیکن جن کے دلوں پر کفر و انکار کا پردہ پڑا ہوا تھا، انہوں نے حماقت و کم عقلی کا ثبوت دیا، اور اس گہرائی تک ان کی رسائی نہ ہو سکی جہاں تک رسائی ایک ہوش مند و ایمان سے بہرہ ور انسان کا حصہ ہے، اور جو اللہ کے نور سے حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اس طرح کفر کے پرستار اور باطل کے علمبردار اور ایمان کے متوالے اور نور حق کے پروانے سامنے آ گئے اور دنیا دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی، ایک کفر و باطل کا کیمپ جو کفر کے تمام انواع و اقسام، شعائر، فلسفے، افکار و نظریات، لاؤ لشکر افرادی اور مادی وسائل پر مشتمل تھا، دوسرا ایمان اور حق کا کیمپ تھا، جو تمام تر تحفظ، امن و سلامتی، سکون و آشتی اور اللہ کی ذات بابرکات سے گہرے روابط اور سچے تعلق سے آراستہ و پیراستہ تھا، جو ہر طرح کی قوت و عظمت اور عزت و شرافت کا سرچشمہ ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسے دور، ماحول اور مقام میں ہوئی جو فساد و تباہی کی تمام اقسام کی آماجگاہ تھا، نور حق اور شمع ہدایت کی ایک معمولی کرن بھی موجود نہ تھی جو اس تہ بتہ تاریکی میں اپنے لئے کوئی راستہ بنا سکے، نوع بہ نوع تاریکی، جہالت و ضلالت کی تاریکی،

بدعملی اور خواہشات نفسانی کی تاریکی، انانیت، فخر ومباہات کی تاریکی، آوارگی کبروغرور اور نخوت کی تاریکی، ہرطرف ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کسی کمزور کے لئے اس دنیا میں جینے کا ادنیٰ ساحق بھی نہیں باقی رہ گیا تھا، نہ ایسے لوگوں کو آزادی سے سانس لینا نصیب تھا جو افرادی قوت اور ساز وسامان کی طاقت کے اعتبار سے کم درجے کے ہوں۔ باطل میں جذبۂ مسابقت انتہا کو پہونچا ہوا تھا، انسانی برادری ہی نہیں بلکہ برادران حقیقی کے درمیان کشمکش ناقابل تصور حد تک سخت اور گہری ہو چکی تھی۔ چنانچہ جنگ ان کی زندگی کا معمول اور چپقلش ان کا شیوہ بن چکی تھی، یہاں تک کہ صلح وآشتی ان کے لئے ناقابل برداشت چیز تھی، اور امن وسکون ناقابل تحمل حقیقت، لہٰذا وہ باہم ایک دوسرے پر حملے کر بیٹھتے اور بھائی کی بھائی سے جنگ چھڑ جاتی، جیسا کہ ایک عرب شاعر پورے فخر کے ساتھ کہتا ہے:

وأحيانا على بكر أخينا إذا ما لم نجد إلا أخانا

(اور کبھی کبھی اپنے بھائی بکر ہی پر حملہ کر بیٹھتے ہیں، جب ہم کو ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ملتا۔)

لیکن اللہ کو منظور ہوا کہ دنیا کی عمر دراز ہو اور تاریکیوں کا خاتمہ ہو۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم رہنما، کامیاب داعی اور روشن چراغ بنا کر لوگوں کے پاس بھیجا، لیکن جو لوگ تاریکی کے عادی اور ظلمت کے خوگر ہو چکے تھے انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور جب آپ نے باصرار بار بار ان کے سامنے دعوت پیش کی تو انہوں نے ہمیشہ کے لئے آپ کی آواز کو بند کر دینا چاہا، اور اندرون خانہ اس کا گلا گھوٹنے کی کوشش کی، اور ہر ممکن اسباب ووسائل اور پوری تیاری کے ساتھ آپ کے خلاف مہم شروع کر دی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہوئے نہ شکستہ خاطر، اور نہ ناکامی ونامرادی کا خیال دل میں آیا، بلکہ اپنی کوششوں اور کاوشوں میں ڈٹ گئے، ہر تکلیف پر صبر کرتے ہوئے ہر حملے کو برداشت کرتے ہوئے اللہ کی مدد پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے مسلسل اپنے مشن میں لگے رہے، آخر آپ کو نصرت خداوندی پہونچی، حق کا بول بالا ہوا اور باطل کا منہ کالا ہوا۔ حق پورے آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور باطل سیاہ رو رخصت ہوا، آخر

باطل کو تو مٹنا مقدر ہی تھا، اور جس نور کو انہوں نے مٹانا چاہا تھا اس کی لو بھڑک اٹھی، اس کی شعائیں تیز ہوگئیں، اور اس نے ساری دنیا کو منور کر دیا، اور بے شمار سازشیں ناکام ہوگئیں۔

یریدون لیطفئوا نور الله بأفواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون۔ هوالذی أرسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون۔

''(کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، جب کہ اللہ اس کو تمام اور مکمل (وعام) کرنے والا ہے خواہ کافر ناپسند کریں۔ اس (اللہ) نے اپنے رسول کو ہدایت و دین راست دے کر بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے، خواہ مشرکین کے حلق سے نہ اترے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بفضل خداوندی محاسن اخلاق کی تکمیل فرمادی، چنانچہ آپ محاسن وفضائل اور تمام خوبیوں کا ہمہ وقت ہر ایک کے لئے ایک عظیم نمونہ ہیں، دوستوں کا معاملہ ہو یا دشمنوں کا، ہر معاملے میں اپنی امت کو محاسن وفضائل کی تعلیم فرما کر زندگی کو ان کا خوگر بنا دیا، اور اپنے پیچھے اپنی سیرت کا بیش بہا ذخیرہ ان کے حوالے کر گئے، جو رہتی دنیا تک اس امت کے لئے مینار ہدایت اور سرمایۂ حیات ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا، آپ کا مقصد تمام مسلمانوں کے درمیان حسن ظن اور خوش گمانی کو فروغ دینے کے مزاج کی تشکیل، اور باہمی چہ می گوئیوں سے نفرت و بے زاری پیدا کرنا تھا۔ ''تم میں سے کوئی میرے کسی صحابی کے متعلق کوئی (بدگمانی پیدا کرنے والی) بات مجھ کو نہ پہونچائے، میں چاہتا ہوں کہ تمہارے درمیان پاک دلی اور خوش گمانی کے ساتھ آؤں''۔

ایک دوسرے موقعہ پر آپ نے سوءظن کے گناہ کو خطرناک اور تباہ کن بتاتے ہوئے اور اس کی بدانجامی سے آگاہ کرتے ہوئے، اور تجسس اور بغض کے برے نتائج سے ڈراتے ہوئے آپ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو! کہ بدگمانی خلاف حقیقت اور واقعیت سے بہت دور ہے، ٹوہ میں نہ لگو نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، اور نہ باہم بغض و کینہ رکھو! اور اللہ کے بندے

بن کر برادرانہ جذبات سے اپنے دلوں کو آباد کرو"۔ اور مسلمانوں کے باہمی حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے اور باہمی معاملات کی انجام دہی کا طریقہ بتاتے ہوئے، اور اسلامی اخوت کا جذبہ بیدار کرتے ہوئے، جو دین و دنیا کی سعادت و شادکامی کے حصول کی بنیاد ہے اور ایک بہتر معاشرے کی تعمیر کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس کے بغیر ایک خوش حال معاشرتی زندگی کی آرزو نقش برآب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ حالات کے حوالے کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، نہ اس کو کمتر و حقیر سمجھتا ہے، کسی انسان کی برائی کے لئے اتنا کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ایک مسلمان کی (ہر چیز) اس کا خون، اس کا مال، اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے"۔

اصول و فروع دونوں میں آپ کس قدر باریک بیں تھے اور کتنی گہری نظر رکھتے تھے! چنانچہ آپ نے انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والا معمولی سے معمولی جزئیہ اور چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جس کو آپ نے واضح نہ کر دیا ہو اور اس کی اہمیت و قدر و قیمیت پر سیر حاصل روشنی نہ ڈالی ہو، اور اپنی صبح و شام اور جلوت و خلوت کی سرگرمیوں کے ذریعے اس کو عملی جامہ نہ پہنا دیا ہو، جہاں تک اصول کا تعلق ہے، تو آپ نے اس کی جڑیں مضبوط کرنے اور اس کو دل کی گہرائیوں میں اتارنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں چھوڑا، تاکہ کسی بھی وقت اس سے غفلت اور لاپرواہی نہ ہو۔ اور اس پر عمل کرنے اور زندگی اور معاشرے میں اس کو نافذ کرنے پر پورا زور دیا۔ کیوں کہ آپ ایک دانا اور حکیم، معلم اور رہنما مربی تھے، امت کے تمام احوال و کوائف خواہ ان کا تعلق خوش حالی و زبوں حالی سے ہو یا سختی و نرمی سے، خواہ خدا اور بندگان خدا کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے، یا دین و دنیا کے دوسرے معاملات سے ہو، آپ ہر ایک سے خوب واقف تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلب سلیم، ذہن رسا سے نوازا تھا، آپ انتہائی حساس اور بیدار مغز تھے، انسانی زندگی کے مزاج اور اندرون نفس، خواہشات انسانی و تقاضہائے بشری کی جولان گاہوں سے واقفیت، انسان اور شیطان کی گمراہ کاریوں سے آشنائی کا اللہ نے آپ کو

بھرپور ملکہ عطا فرمایا تھا۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ اتنی عظیم ذمے داری ادا نہیں کر سکتے تھے، خاص طور سے ایسے حالات میں جب زندگی پستی اور فساد کے آخری درجے تک پہونچ چکی تھی اور انسان سارے فضائل واقدار سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا، حالت یہ تھی کہ وہ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ تھا لیکن اللہ نے بڑی باریکی اور اہتمام سے آپ کی تربیت فرمائی، اور آپ کو بلند حوصلہ، غیر معمولی ذہانت اور استقامت وثبات سے سرفراز فرما کر تمام رکاوٹوں، بندشوں، عداوتوں اور رنجشوں کے باوجود جس کی وجہ سے ایک قدم چلنا مشکل تھا، اس مرض کا علاج کرنے اور حالات کو بدلنے اور زمانے کا رخ موڑنے پر قادر بنایا۔

آپ نے اپنے بلند اخلاق کے ساتھ اپنی مہم جاری رکھی، اور وحی خداوندی کی روشنی میں قدم بڑھاتے رہے اور حکمت وتدبیر سے لوگوں کو دعوت دیتے رہے، اور ان کے ساتھ نرمی، سنجیدگی اور متانت سے پیش آتے رہے، یہاں تک کہ دشواریاں کم ہوگئیں، تاریکیاں چھٹ گئیں، دل بدل گئے اور آپ کی دعوت کے سلسلے میں لوگ سنجیدگی سے غور کرنے لگے، اور اس کے بعد اس کو قبول کرنے اور زندگی میں نافذ کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور اس طرح دین خداوندی ساری دنیا میں برپا ہوگیا، اگرچہ دشمنان اسلام اس کو ناپسند کر رہے تھے۔

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی سیرت، بلندی وتقدس، عظمت ورفعت، پاکبازی اور پاک دامنی، پرہیزگاری وتقویٰ شعاری، عمدہ صفات، شریفانہ عادات واطوار کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

یہ زندگی ان تمام لوگوں کے لئے ایک کھلی کتاب ہے جو اس سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہوں، نہ اس میں کوئی راز ہے نہ ابہام، نہ دقت نہ پیچیدگی، جو بھی ان اعلیٰ و بلند اوصاف سے واقف ہوگا۔ قلب وزبان سے گواہی دے گا کہ: آپ ایک اللہ اور پروردگار عالم کی طرف سے بھیجے ہوئے معزز نبی ہیں، نہ کہ کچھ اور!!۔

محققین اور ریسرچ اسکالروں نے آپ کی سیرت پر تحقیقی کام کئے اور آپ کی زندگی کی

تاریخ کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اس میں انہیں ایسی معمولی سی بھی کوئی چیز نظر نہیں آئی جو ان محاسن اخلاق کے منافی ہو جس کی پود لگانے اور اس کے مطابق امت کی تربیت کے لئے آپ تشریف لائے، اور نہ کوئی کمزوری ہی محسوس کی جس کا حوالہ دے سکیں اور آپ کی ذات بابرکات پر انگلی اٹھا سکیں۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور سارے جہاں کے لئے رحمت ہیں، اور آپ کی تربیت خدائے وحدہٗ لاشریک کی سرپرستی میں ہوئی، اور منشاء ربانی یہ تھا کہ آپ کے ذریعے زندگی میں یکسر و یکلخت انقلاب پیدا کر دیا جائے، اور صفحۂ ہستی میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں، اور سارے عالم میں شریعت الٰہی کی حکمرانی ہو، اور انسان اللہ کے حکم اور اس کے فیصلوں اور اس کے دین یعنی "اسلام" کے سائے میں زندگی گزارے اور اس کے روحانی توشے سے غذا حاصل کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ساری دنیا اور اس میں پائی جانے والی تہذیبیں، اس کے تمدن اور اس کی علمی و صنعتی ترقیاں، طرح طرح کی ثقافتیں، نت نئے فلسفے، علوم و فنون کے خزینے، حکمت و دانائی اور ذہانت کے کرشمے مختصر یہ کہ ہر قسم کی سرگرمیاں اور تدبیریں یہ تمام چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کی مرہون منت ہیں اور آپ کی رحمت کے سائے میں نشو و نما پا رہی ہیں۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے، تو نہ علم ہوتا نہ حکمت و دانائی ہوتی نہ عبقریت اور غیر معمولی اور خوارق عادت صلاحیتیں ہوتیں، نہ الفت ہوتی نہ نیک جذبات، اور نہ کوئی چیز جو انسانی زندگی کو سنوارنے میں برابر کام آ رہی ہے، اور جس سے لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب

(اقبالؔ)

☆☆☆

انسان کی تعمیر میں پیغمبر اسلام کی معجزانہ صلاحیت

بعثت نبوی سے قبل انسانی زندگی کی صورت حال کا نقشہ اگر چہ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بڑی فن کاری اور انوکھے انداز سے پیش کیا ہے، وہ تاریخ کا انتہائی بدترین اور محرومیوں اور نامرادیوں سے لبریز باب ہے۔ جس میں فساد اپنے تمام انواع واقسام اور اپنی جملہ جزئیات کے ساتھ ہر پہلو اور ہر سطح پر زندگی کے ہر گوشے پر چھایا ہوا تھا، ظلم وزیادتی اپنی ڈراؤنی اور ہیبت ناک شکل وصورت کے ساتھ انسان پر حاوی تھا، اور اس کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھا۔ اس صورت حال کے نتیجے میں طرح طرح کی اخلاقی بیماریاں اور سماجی وبائیں پھوٹ پڑیں تھیں، جس نے اس عہد کے انسان کو آگ اور تباہی کے کگار پر لا کھڑا کیا۔

لیکن ہجرت حبشہ کے موقعے پر حضرت جعفر بن ابو طالبؓ نے بادشاہ نجاشی کے سامنے جو تقریر کی، وہ عہد جاہلیت کی سچی اور مکمل تصویر پیش کرتی ہے، اور اس سے اس مشن کی پوری وضاحت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی:۔

''ہم جاہلیت کے بڑے نادان لوگ تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، برائیوں اور فواحش کا ارتکاب اور قطع رحمی کرتے تھے۔ ہم سایوں کے ساتھ بدسلوکی ہمارا شیوہ تھا، ہم میں جو طاقت ور تھا وہ کمزور کو نگل رہا تھا، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں میں سے ایک پیغمبر ہمارے پاس بھیجا، جس کے حسب ونسب، سچائی، امانت داری اور پاک دامنی سے ہم آشنا تھے، اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا، تاکہ ہم اس کو ایک معبود حقیقی قرار دیں، اور صرف

اس کی عبادت کریں، ہم اور ہمارے اجداد خدائے واحد کے علاوہ جن پتھروں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، ان کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکیں، اور ہمیں صلہ رحمی، راست گوئی، امانت داری، ہم سایوں کے ساتھ حسن سلوک کا ہتک عزت اور خوں ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ نیز فواحش و منکرات، جھوٹ، یتیموں کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اور ہم کو حکم دیا کہ صرف ایک تنہا معبود، خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریں، اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ کریں، ساتھ ہی ادائے عبادات نماز، زکاۃ، اور روزے کا بھی ہمیں حکم دیا۔''

یہ آئینہ ہمارے سامنے اس انسان کی سچی تصویر پیش کر رہا ہے جس نے بت پرستی، اصنام نوازی، اور ظلم و فساد کے بدترین ماحول میں زندگی گذاری اور قتل و غارت، رنجش و چپقلش اور قطع رحمیوں کی پرسوز فضا میں سانس لی، جس زمانے کے نزدیک زندگی کا مفہوم صرف یہ تھا کہ وہ ظالموں، قاتلوں اور دباؤ کے سامنے سر جھکائے اور جب اس کو موقعہ ہاتھ آجائے تو وہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ وہی معاملے کرے، اور بقیہ وہی واقعہ پورے شد و مد کے ساتھ اپنے آس پاس لوگوں کے ساتھ دہرائے، چنانچہ زندگی انواع و اقسام کے فساد و بگاڑ کے لامتناہی سلسلے سے عبارت تھی، اور انسان درندوں اور جنگلی جانوروں سے زیادہ خوں خوار بن چکا تھا، لوٹ، مار، قتل و غارت، کاٹ چھانٹ، ظلم و زیادتی کے علاوہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہ گیا تھا، آبرو ریزی، مے خواری اور جوا جیسے منکرات اس کی گھٹی میں پڑ چکے تھے۔

اس زندگی کی تصویر ہم حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی تقریر میں دیکھ سکتے ہیں، اور نوع انسانی کی شکستگی اور اس شدید گھٹن کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جس کو اس نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا، اس کی نگاہ میں سارے پیمانے الٹ چکے تھے۔ اور ہر معیار قانون فطرت کے خلاف جا رہا تھا۔ اور حالت بایں جا رسید کہ شقاوت سعادت بن گئی، اور لوگوں کو خون و خرابے میں سکون ملنے لگا۔

یہ صورت حال، یعنی خلاف فطرت ہر عمل پر خوشی، درندہ صفتی اور حیوانی ماحول میں سکون واطمینان، انسانی انحراف اور بداخلاقی سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھی۔

یہ المیہ نسل انسانی کے وجود کے لئے خطرہ بن چکا تھا، انسانی کی ابدی تباہی کا سارا سامان ہو چکا تھا، اور قریب تھا کہ اللہ تعالیٰ کائنات، انسان اور زندگی کے آخری خاتمے کا فیصلہ کر دے۔ مگر اللہ کو منظور ہوا کہ زمینی مسافت دراز کر دی جائے اور انسان کو ایک اور موقعہ دیا جائے، اس امید میں کہ وہ راہ حق کی طرف آجائے اور صحیح راستہ پہچان لے اور پستی سے نکل کر اخلاقی بلندی کے مدارج طے کرلے، اور دائمی سعادت کا راز، دین فطرت کو اختیار کر کے پالے۔

چنانچہ اللہ کا فیصلہ خدا کی بنائی ہوئی ہمہ گیر اور دائمی شریعت کی شکل میں سامنے آیا، جو اسلام کے گھنے سایے میں انسان کی دائمی سعادت وشادکامی کی ضامن ہے، اور اپنے آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ حیثیت ایک عظیم رہبر انسانیت، خوش خبری دینے والا اور خبردار کرنے والا رسول بنا کر بھیجا۔ انہوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور تمام معاملات میں اسی کا سہارا لینے کی دعوت دی۔ اور لوگوں کی تعلیم ان کے تزکیے اور اللہ کی قدرت کے مظاہر، اس کی ربوبیت کی نشانیوں کی تشریح وتوضیح میں وقف ہو گئے، اور اس بات پر خاص زور دیا، کہ کامیابی صرف اور صرف شریعت الٰہیہ کے اتباع میں ہے۔ اور عظمت وشرافت اسی کی راہ روشن اختیار کرنے میں ہے۔

''وہی ذات ہے جس نے ناخواندہ قوم کے درمیان انہیں میں کا ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور ان کو (ظاہری اور باطنی آلائشوں سے) پاک اور منزہ بناتا ہے۔ اور کتاب وحکمت کی تعلیم کرتا ہے، اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے''۔

''چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسان پر احسان صرف اس میں منحصر نہیں ہے، کہ آپ نے ان کے سامنے ایک دین پیش کیا، بلکہ اس حیثیت سے بھی نمایاں ہے کہ آپ نے اس کو جاہلیت کی گندگی اور اصنام پرستی کی نجاست سے پاک کیا، جس میں وہ گلے گلے ڈوب

رہا تھا، اور کتاب وحکمت کی تعلیم سے آراستہ کیا، اور اس کو معصوم فرشتوں تک نہ صرف پہونچا دیا، بلکہ ان سے بھی برتر بنا دیا، آپ کا احسان یہی نہیں ہے کہ اس کو گہری تاریکی سے نکال کر کھلی روشنی میں لے آئے، بلکہ آپ کا یہ بھی انعام ہے کہ اس کو سرزمین عالم میں جانشینی کا مقام عطا فرمایا، اور براہ راست اس کو پروردگار حقیقی سے جوڑ دیا۔ اور اس کو اس مرتبے تک پہونچا دیا کہ وہ اپنے رب کریم سے مناجات کر سکے، اور اس کے حضور اپنے قلبی رنج والم کا اظہار کر سکے، اور سینے کے راز ہائے سربستہ کو بے نقاب کر سکے، اپنی مرادوں اور دلی تمناؤں کی درخواست اس کے سامنے پیش کر سکے، چنانچہ وہ اس سے بلاواسطہ پورے عزوشرف کے ساتھ تعلق قائم رکھتا ہے، ایسا تعلق جو اس کے اور پروردگار کے درمیان سے تمام حجابات و موانع کو ختم کر دیتا ہے، اور اس سے برابر قربت حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور محبت وشفقت کے اعلیٰ مقام تک پہونچ جاتا ہے، جہاں تمام حد بندیاں اور فاصلے مٹ جاتے ہیں، اور بندہ براہ راست اللہ کی سرپرستی ونگہبانی اور اس کی حمایت وحفاظت میں پوری طرح پر آجاتا ہے، اور اس کے لطف وکرم کی فصیل میں پناہ گزیں ہو جاتا ہے۔ کوئی تنظیم، فلسفہ، نظریہ، یا فکر ہے جس نے انسان کو عظمت وبلندی کے اس اعلیٰ مقام تک پہونچایا ہو اور اس کو شہنشاہ حقیقی سے حقیقتاً ملا دیا ہو، اور اس عظیم روحانی طاقت سے اس کا روحانی رشتہ مضبوط اور مستحکم کر دیا ہو؟

حدیث قدسی میں اس عظیم تعلق اور سچی محبت کی مثال پیش کی گئی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو جاتی ہے، ارشاد ہے کہ:-

> ''سب سے زیادہ جس بات سے بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے، وہ فرائض کی ادائیگی ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ نوافل کا اہتمام کر کے اللہ تعالیٰ سے برابر قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ اس سے محبت فرمانے لگتے ہیں۔ اور جب اس سے محبت کا رشتہ قائم فرما لیتے ہیں تو اس قدر محبوبیت کی شان اس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محبوب بندے کا کان بن

جاتے ہیں، جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتے ہیں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتے ہیں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پیر بن جاتے ہیں جس سے وہ چلتا ہے، اور وہ جب بھی کسی مصیبت سے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہے تو اس کو یقینی طور پر پناہ دیتے ہیں اور جب بھی وہ ان سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے تو وہ اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں"۔

یہ دراصل تمثیل ہے اللہ تعالیٰ سے بندے کے براہ راست تعلق اور محبت واخلاص کے مقام کی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

☆☆☆

هوالذی أرسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق

(اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت و دین راست دے کر بھیجا ہے)

نبی کریم صلی اللہ کی بعثت سے قبل لوگوں کی ساری فکری توانائی اور توجہ اور تمام دلچسپیوں کا مرکز صرف ایک چیز تھی، دلکش اور دیدہ زیب شکل اور جھوٹی نمائش، دوسرے الفاظ میں ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ اپنی زندگی کی حقیقی صورت حال سے نکل کر اس کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر اور خلاف حقیقت خوبصورت شکل میں پیش کرے۔

اسی شدید حرص اور بے قابو خواہش کی لوگوں پر حکمرانی تھی، اور یہی اصل بیماری تھی جس سے بہت سی خرابیوں اور برائیوں نے جنم لیا، اور انسانی برادری کے وسیع و عریض ڈھانچے کا کوئی بھی حصہ اس سے محفوظ اور صحیح سالم نہ رہا۔ وہ لاعلاج اور مزمن امراض سے بری طرح دوچار تھی جو جلد ہی اس کی فنا کو دہلیز پر پہونچانے والے تھے اور دنیا کے آخری خاتمے کا الارم دے رہے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو فریب خوردہ انسان اور قسمت کی ماری انسانیت پر ترس آیا، اور اس نے اس کی عمر میں توسیع کا ایک مزید موقع عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا، تاکہ محاسن اخلاق اور فضائل زندگی کے سلسلے میں فکر و عمل کی حیثیت سے جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں اس کی تلافی ہو سکے، نیز خود اعتمادی اور ایمان باللہ والرسل کا ایک ایسا پل تعمیر ہو جائے جس پر چل کر انسان خشکی نجات اور امن و سلامتی کے ساحل تک بالکل آسانی کے ساتھ پہونچ جائے اور اپنے تلخ ماضی اور پرخار وادی سے نکل کر اور محرومیوں اور نامرادیوں کی یادوں سے جل تھل زندگی کو یکسر بھول کر امن و سلامتی، ایمان و اعتماد، اتحاد و اتفاق، اخوت و محبت اور وفائے عہد اور صداقت کے سایے میں زندگی کا سفر از سر نو شروع کرے۔

اختلاف وانتشار کی تمام قسمیں ہی وہ عام بیماری تھی جو اس دور کے انسان پر ہر طرح حاوی تھی، جو مختلف عداوتوں اور رنجشوں کا سبب بنی، جس کے نتیجے میں ہلاکت خیز جنگیں اور لامتناہی جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، جس نے انسانی اخلاق وفضائل کو غارت کر کے بلند اقدار کا اس حد تک خاتمہ کر دیا تھا کہ پوری انسانی زندگی میں اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہ گیا تھا، اس مرض کا علاج آپ کی بعثت کے بعد از حد لازمی تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام یہی کیا، آپ نے اخوت کے نام پر ان کو یکجا کیا، اور ان سے مطالبہ کیا کہ زندگی کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور اسے خواہشات نفسانی اور من پسند تقاضوں کو پورا کرنے کا اہم ذریعہ نہ بنائیں اور نہ غیر مفید کاموں میں اس کو صرف کریں، بلکہ اس کو اس کا صحیح مقام دیں، اور پوری امانت داری اور احتیاط کے ساتھ اس کے حقوق ادا کریں۔ جبکہ ارشاد باری ہے:

يا أيها الناس اعبدوا ربكم الذى خلقكم والذين من قبلكم لعلكم تتقون۔

''اے لوگو! اپنے پروردگار کی پرستش کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، تا کہ تم بچ سکو!۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں اس دعوت کا بانگ دہل اعلان کرتے ہوئے جب صفا کی چوٹی پر تشریف لے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين۔

''آپ کو جو حکم ہو رہا ہے، کھل کر اعلان فرما دیں، اور مشرکین سے اعراض فرمائیں''

اور آپ نے بلند آواز سے یا صباحاہ!! (ہوشیار! خبردار) کہا، وادیٔ بطحاء میں اس دل دوز اور دہلا دینے والی آواز کے گونجتے ہی سارا مکہ پہاڑ کے اردگرد جمع ہو گیا، آپ نے ان سے فرمایا:

إنى نذير لكم بين يدي عذاب شديد۔

''میں تمہیں سخت عذاب کی آمد سے پیش تر باخبر کر رہا ہوں''۔

اس آواز پر خوش نصیب لوگ ہدایت سے بہرہ ور ہوئے، اور ان کے دل کی آنکھیں کھل

گئیں، جس سے انہوں نے اچانک آنے والے خطرے کو محسوس کرلیا، جو دنیا اور آخرت میں ان پر منڈلا رہا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فوراً اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے، البتہ جن لوگوں کے دل پر اللہ نے مہر لگادی تھی، وہ اس حقیقت کو نہ پاسکے، اور آپ کی خیر خواہی سے نا آشنا رہے، اور اپنی گمراہی و سرکشی میں مبتلا رہ کر غفلت و بے اعتنائی کی راہ میں مسلسل چلتے رہے، اور اس عظیم خیر خواہی کا جس سے مکے کی فضائیں اور وہاں کے پہاڑوں کی چوٹیاں گونج اٹھیں، لیکن اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ وہ حد درجہ کور چشمی و بے راہ روی کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگے، اور ان میں بعض وہ بھی تھے، جن کی زبان انتہائی بد بختانہ و بدترین کلمات سے آلودہ ہوگئی ''تیرا بیڑا غرق ہو، تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا!؟'' (العیاذ باللہ!!)

رحمت خداوندی کو جوش آیا، اور اس بدکلامی کی تردید اس سے بھی زیادہ سخت انداز میں پوری ایک سورت کی شکل میں کی گئی:

تبت يدا أبي لهب وتب ما أغنى عنه ماله وما كسب.

''ابولہب کے ہاتھ شل، اور وہ غارت ہوا، اس کے مال و اعمال اس کے لئے بے سود ہو گئے''۔

دنیا نے اس کا انجام دیکھ لیا، کیسی کس مپرسی کی زندگی گزاری، اور کیا لے کر قبر کے گڑھے میں گیا، اسی طرح انسان جب بھی اپنے دائرے سے باہر قدم نکالتا ہے، اور سرکشی و بغاوت اور سرمستی کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ قضائے محتوم کے منحوس انجام سے دوچار ہوتا ہے۔

ہر زمانے میں انسان کا یہ المیہ رہا ہے کہ وہ نصیحت و خیر خواہی پر کان نہیں دھرتا بلکہ اور طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے، اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات کو معمولی سمجھتا ہے، اور خود رائی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو سب سے بالاتر تصور کرتا ہے، الفت و اخوت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اپنے خالق و رازق پر صحیح ایمان نہیں رکھتا، اور اپنے آپ کو خدا، یا خدا کی شبیہ سمجھ بیٹھتا ہے۔

ایسے حالات میں لوگوں کو علاج کی تشخیص اور ہمہ گیر اخلاقی تعلیمات کی ضرورت ہوتی ہے، جو خود فریبی اور شومئ قسمت کے شکار انسانوں کی دست گیری کا کام انجام دیں، اور اس

کو صحیح مقام عطا کریں، اور اصل مرکز سے جوڑ دیں۔

هوالذی أرسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله، ولوکره المشرکون۔

''اسی ذات پاک نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تا کہ تمام مذاہب پر اس کو غلبہ عطا فرمائے، خواہ مشرکین کو گوارا نہ ہو''۔

قل یا اهل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبدإلا الله ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

''فرما دیجئے! اے اہل کتاب! ایک ایسے کلمے سے اتفاق کر لو، جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے، یعنی ہم سب مل کر ایک خدا کی پرستش کریں، اور ایک دوسرے کو خدا کے علاوہ رب قرار نہ دیں، اگر وہ پیٹھ پھیریں، تو کہہ دو! تم سب گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں''۔

☆☆☆

ہر دور جہالت میں اسلام کا دائمی پیغام

ایک مسلمان اس عظیم نعمت کا شکر و اعتراف جو اللہ تعالیٰ نے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے کیا ہے، کس زبان سے ادا کر سکتا ہے خواہ زبان قلم ہی ہو کہ قلم بھی دو زبانوں میں سے ایک ہے۔

یہ عظیم نعمت اسلام کی دولت ہے، مگر نا قابل تصور ہے کہ تشکر و امتنان کا معمولی سا حق بھی وہ ادا کر سکے، خدا کا یہ احسان ایسے دور میں ہوا، جب دنیا جہنم کے گڑھے کے کنارے کھڑی تھی، جب انسان گوشت و پوست اور ہڈیوں کا صرف ایک بے قیمت ڈھانچہ تھا، قلب و نگاہ اور عقل و ہوش سب کچھ اس کے پاس تھا لیکن انسانوں جیسا نہیں بلکہ چوپایوں کی طرح زمین پر دو پیروں پر چلنے والا ایک چوپایہ تھا، اور اس کے نزدیک دنیا من مانیوں اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے ایک سرسبز و شاداب چراگاہ تھی، جس میں انسان بے لگام منہ مارتا پھر رہا تھا۔ یہ امر واقعہ تھا کہ دنیا طرح طرح کے وحشیانہ جرائم سے بھر چکی تھی، انسانی خون سے روئے زمین سرخ ہو رہی تھی، تمام راستے تاریک ہو چکے تھے، لوگ ظلم و ستم اور جنگ و جدال کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے، انتہائی بھیانک مظالم اور درندگی کے کاموں میں ذرہ برابر حرج محسوس نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ عورتوں کی گود میں لڑکیوں کا وجود بھی نا قابل برداشت بن گیا۔ انہوں نے خیالی عار سے بچنے کے لئے ان کو زندہ درگور کرنا شروع کر دیا، جو درحقیقت خیالی عزت بلکہ آخری درجے کی پستی اور بدبختی کا نتیجہ تھا۔

زمانہ جاہلیت کی بدبختانہ اور مشئوم زندگی کے اس بھیانک منظر کی تصویر کشی قرآن نے کیا ہی دل پذیر اور حقیقت کشا انداز سے کی ہے:

وإذا بشر احدهم بالانثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم، يتوارى من القوم من سوء ما بشر به ايمسكه على هون ام يدسه فى التراب الاساء ما يحكمون۔ (سورۃ النحل:۵۸-۵۹)

''جب ان میں کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور خون گھونٹ کر رہ جاتا، اس خوشخبری کے عار سے چھپتا پھرتا اور سوچتا کہ ذلت و رسوائی کے ساتھ اس کو باقی رکھے، یا اس کو مٹی میں چھپا دے، ذرا سنو! ان کے فیصلے کتنے برے ہیں!!''۔

انسانی تاریخ کے اس سنگ دل دور کا کوئی صحیح تصور نہیں کر سکتا، جو اسلام سے پہلے تھا، لیکن قرآن کریم نے ہمیں اس سے بے نیاز کر کے مندرجہ بالا آیت میں اس دور کی ایسی جامع تصویر پیش کر دی جس میں انسان زمانۂ جاہلیت کے نقوش اور محرومی و شقاوت کی انتہا واضح طور پر کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے۔ اور اس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کے شر و فساد کی جڑیں کس قدر گہرائیوں میں اتر چکی تھیں اور معاملہ انسان کے بس سے باہر ہو چکا تھا، اور اس کے بعد انسانی نوع کے بقاء کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی، اور دنیا کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے طے ہو چکا تھا۔ اگر اللہ کو انسانیت پر ترس نہ آجاتا اور اس کو بدبختی کے عمیق غار سے نکال کر سعادت و شادکامی کے وسیع سائبان کے نیچے لانے کا فیصلہ نہ کر لیتا۔

ایسے دھماکہ خیز حالات اور کینہ و کپٹ، اختلافات، شر و انتشار، ظلم و سنگدلی، نفاق و انتقام کے جذبات سے لبریز عالم میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ کو بشیر و نذیر اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی طرف بلا کر معبودان باطل کو چھوڑنے اور خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کا مطالبہ کیا ہی تھا کہ ضلالت و انحراف کی سرپرست طاقتوں نے آپ کے خلاف ہلا بول دیا، اور انہوں نے چاہا کہ اس صدائے حق و توحید کو خاموش کر دیں، جو بہت سے معبودوں کو چھوڑنے اور دینی معاملات میں آباواجداد کی مخالفت کرنے کے لئے اٹھی تھی، اور تمام قبائل اس مرد کامل کا صفایا کرنے کے لئے

ایک آواز اور ایک رائے ہو گئے جس نے ان کے معبودوں کی مذمت کی تھی اور ان کی بے بسی بیان کرتے ہوئے خدا کی وحدانیت کی دعوت دی تھی۔ ان کے پاس تمام تدبیریں اور وسائل فراہم تھے اور باہم مل کر ایسی طاقت بن چکے تھے جو بادشاہوں اور حکومتوں کو حاصل ہوتی ہے، اور تمام قرائن بتا رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سرکشوں، خدا کے باغیوں، سنگدل و بداخلاق لوگوں کے سامنے ٹک نہیں سکیں گے اور اس لشکر کفار کے مقابلے میں جو بظاہر ہر چیز کا مالک ہے اور جس کے ہاتھ میں پیس کر رکھ دینے والی ایک بھاری طاقت ہے، جس کے سیلاب کو کوئی چیز روک نہیں سکتی، جس کے سامنے بڑی سے بڑی چیز بھی سدراہ نہیں بن سکتی، آپ کے قدم جم نہیں سکتے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ کوہ پیکر طاقت بے بسی کا شکار ہو کر سارے حوصلے اور توانائیاں کھو بیٹھی اور ہر قسم کے اسباب و وسائل کے میسر ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ کر سکی۔ دشمن طاقتوں اور مخالف قوتوں کا کوئی گٹھ جوڑ اپنی کثرت تعداد اور بڑائی کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پوری توانائی اور سرگرمی اور قوت و اعتماد کے ساتھ اس کام کو جاری رکھنے اور دعوت اسلامی کی لہر اور اس کے دھارے کو روکنے میں بالکل کامیاب نہ ہو سکا، بلکہ برابر اس کا دائرۂ اثر بڑھتا اور پھیلتا رہا، یہاں تک کہ تمام قبائل اس کے زیر اثر آ گئے، اور وہ دعوت دلوں کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی، اور تمام معاندانہ طاقتوں کے قلعے مسمار ہونے لگے اور لوگ افراد اور گروہوں کی شکل میں اسلام قبول کرنے لگے، اور یہ کیفیت ہو گئی کہ دین اسلام اختیار کر کے اپنے خاندان اور قبیلے کی مخالفت کی کسی کو کوئی پرواہ نہ رہی، اور اسلام کی تیز رو اور سبک لہریں دیہاتوں اور شہروں کو اپنی آغوش میں لینے لگیں، دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کا بول بالا ہوتا ہے، نبی اسلام کو فتح و غلبہ حاصل ہوتا ہے، اور آپ کا دین زندگی کے تمام معاملات اور شعبوں میں دائمی منہاج اور نوع انسان کا جاودانہ دستور حیات قرار پاتا ہے اور قرآن ببانگ دہل گونجتی آواز میں اعلان کرتا ہے:

ومن يتبع غير الإسلام دينا فلن يقبل منه۔

''جو اسلام کے سوا، کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے گا، وہ ہرگز منظور نہ ہوگا''۔

اس دین کی صداقت ودوام اوراس دعوت کی وسعت وہمہ گیری پراس سے روشن اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی اور غلبہ ایسے حالات میں حاصل ہوا، جو آپ کے حق میں ایک فیصد بھی سازگار نہیں تھے، اگر یہ دین خدا کا ابدی و ہمہ جہت دین نہ ہوتا، اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بھیجے ہوئے نبی خاتم نہ ہوتے، تو ہرگز یہ ممکن نہیں تھا۔!!

جب جب انسان پستی میں گیا حالات بحران کا شکار ہوئے، مفسدانہ طاقتوں نے یلغار کی، رذیل عادات ومنکرات کا غلبہ ہوا، دین اسلام نے بڑھ کر حالات میں تبدیلی لاکر اور اصلاحی کام انجام دے کر انسانی زندگی کا مداوا کیا، اور ہر چیز کو اس کا صحیح مقام دے کر حالات معمول کے مطابق بنا دیئے، اور انسان کو اس کے صحیح مقام ومنصب سے روشناس کیا، اور سارے عالم کو شادکامی وشادمانی اور اطمینان وسکون سے بھر کر جنت مقام بنا دیا۔

☆☆☆

سنة الله فی الأرض ولن تجد لسنة الله تبدیلا

(دنیا میں یہی دستور خداوندی ہے، اور کبھی بھی خدا کے دستور میں تبدیلی نہیں پاسکتے)

چھٹی صدی عیسوی اور بیسوی صدی عیسوی کی جاہلیت میں قدرے اشتراک اور عصر حاضر کے انسان کی صورت حال چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے انسان کی حالت سے کس قدر میل کھاتی نظر آتی ہے، وہ حالت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تھی، بحیثیت مجموعی دونوں جاہلیت کے دور ہیں، البتہ پہلی جاہلیت یونانی اور ایرانی تہذیب وتمدن کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی تھی۔ اور دور حاضر کی جاہلیت مشرق ومغرب کی تہذیب کے زیر سرپرستی پھل پھول رہی ہے۔ پہلی جاہلیت کی باگ ڈور قبائلی اور نسلی تعصب کے ہاتھوں میں تھی، اور عداوتیں، رنجشیں، باہمی نفرت، قتل وغارت گری اس کے لئے رصد رسانی اور ایندھن کی فراہمی کا ذریعہ تھی، اور موجودہ جاہلیت کی رہبری مادہ پرست فلسفے، کھوٹے نظریے، اوچھے ترچھے پیمانے کررہے ہیں، اور اس کو کینہ ودشمنی، اور حرص وہوس کی غذاء بہم پہونچاتے ہیں اور علاقائی، قومی، نسلی، تمدنی عصبیت اور رنگ ونسل کے مختلف شعبوں میں منحصر قبیلہ پرستی اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہے۔ ماقبل اسلام کی جاہلیت قبائلی مظاہرات، بازاروں اور میلوں، جنگوں اور سورماؤں پر فخر کرتی تھی تو آج کی جاہلیت عظیم الشان شہروں، بین الاقوامی کانفرنسوں، ایٹمی ہتھیاروں کی صنعت کاری، فن کار ماہرین، سائنسدانوں پر نازاں ہے، گذشتہ جاہلیت بچیوں کو زندہ درگور کرنے، عورتوں کی تذلیل، ماں کی مامتا پر پابندی لگانے، خاندانی دائرے کو تنگ کرنے میں پیش پیش تھی، تو زمانہ حال کی جاہلیت کے نمائندہ ممالک خاندانی منصوبہ بندی اور عورتوں کو بے

قیمت اور بے حیثیت بنا کر پیش کرنے، آزادانہ اور بے محابا جنسی آسودگی حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے قیمتی انعامات کے اشتہارات دیتے ہیں جو خاندانی منصوبہ بندی کے اصول اپناتے ہیں اور ایک بچے اور بچی کی پیدائش پر اکتفا کرتے ہیں۔

اسی طرح کے اور بھی بہت سے پہلو ہیں جس میں دونوں جاہلیت کے رول مشترک نظر آتے ہیں، زمانۂ قدیم کی جاہلیت اپنے ابتدائی مراحل میں جب حد سے تجاوز کر گئی اور سارے قید و بند توڑ دیئے اور مختلف انسانی معاشرے میں اس کا سکہ چلنے لگا تو قریب تھا کہ انسان انسانی امتیازات سے دست کش ہو جائے اس وقت پوری انسانیت تباہی کے آب خوردہ کگار پر کھڑی تھی، اور دنیا کا خاتمہ بہت قریب نظر آرہا تھا اور پوری دنیا اپنی تہذیب و ثقافت، تمدن وقومیت اور صنعت وحرفت سمیت صفحۂ ہستی سے مٹنے کو تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس حیرت انگیز صورت حال اور انتہائی کٹھن موقعے پر اسی عالم کے بقاء اور اس کو جاہلیت اور بدبختی کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان اور خوش نصیبی کی راہ پر لانے کا فیصلہ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انمول پیغام دے کر بھیجا جس نے تباہی کے کھڈ پر کھڑے حواس باختہ انسانوں کی دست گیری فرمائی، اور حقیقی زندگی اور امن وسلامتی کے کشادہ میدان میں اس کو اتار دیا۔ آپ ایک نئی دعوت لیکر تشریف لائے، جس نے دلوں کو خدا پر اعتماد اور وحدانیت پر ایمان کے جذبے سے سرشار کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور کے انسان کے سامنے پیغام خداوندی پیش کیا، اور کلام الٰہی کی آیتیں تلاوت فرمائیں اور شرک و جہالت کی آلودگیوں سے اس کو پاک کر دیا۔ اور کتاب الٰہی اور حکمت ربانی کی تعلیم فرمائی، نور ہدایت کو پھیلانے، فضائل اور حسن اخلاق کو عام کرنے، معمولی باتوں اور حقیر و چھوٹے چھوٹے اغراض سے روکنے اور لوگوں کو گمراہی اور تاریکیوں سے نجات دلا کر راہ راست پر لانے اور نور حق سے بہرہ ور کرنے کے لئے ہر طرح کی مشقت اور تکلیف برداشت کی۔

هوالذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وإن کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔

''وہی ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر منتخب کر کے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت، اور ان کو آلائشوں سے پاک، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ اور اس کی بعثت سے قبل وہ سب کھلی گمراہی میں تھے''۔

اور یکا یک کایا پلٹ گئی، کائنات کی ہر چیز بدل گئی، لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے، سارے عالم میں باہمی محبت اور تعاون کی فضا قائم ہوگئی، اخوت والفت کی روح انسانی معاشرے کے مردہ جسم میں سرایت کرگئی، ہر ایک نے مل کر اللہ کی رسی تھام لی، اور انتہائی سکون و اطمینان، امن وسلامتی، عزت ووقار، ہدایت وعبادت، اخوت ومحبت، عظمت ورفعت کے ساتھ زندگی گزاری، اور جب بھی شیطان نے ان کی مضبوط کڑی بکھیرنے، ان کی طاقت توڑنے اور ان کے اتحاد باہم کو پارہ پارہ کرنے کی ناپاک کوشش کی انہوں نے اس فرمان الٰہی سے سبق حاصل کیا:

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا!

(اللہ کی رسی مل کر مضبوطی سے تھام لو، اور ٹکڑیوں میں نہ بٹو!)

اور پہلی فرصت میں اس کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرلیا۔

زمانہ قدیم کی جاہلیت کا خاتمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت وپیغام کے ذریعے سے فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے تھے اور ساری دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، تو ہم کیسے امید کرتے ہیں کہ، موجودہ جاہلیت کا خاتمہ آپ کی دعوت وتبلیغ کے بغیر ممکن ہوگا، اور ہم کیسے توقع کر لیتے ہیں کہ تہذیب وتمدن اور صنعت وحرفت اور اقتصادی ترقی کے فارمولوں اور سیکولر فلسفوں اور مادی نظریات سے وہ مٹ جائے گی، اور کیسے آرزو کی جاسکتی ہے کہ وہ پرفریب سیاسی طریقوں اور اقوام متحدہ کی امن کانفرنسوں اور چوٹی کی سطح پر منعقد سیمیناروں اور بڑے بڑے کیمپوں کے اندر امن معاہدوں کے ذریعے تحلیل ہوجائے گی!؟۔ ہرگز نہیں!! وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت ورہنمائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوئی، اور اسلامی دعوت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی، جس کا تمام دنیا کے سامنے کھل کر اعلان کیا، صرف اسی کے ذریعے اس کا خاتمہ ممکن ہے۔

كلا إنها تذكرة فمن شاء ذكره!!

(خبردار! درحقیقت وہ ایک بڑی نصیحت ہے، لہٰذا جو چاہے ذہن نشیں کرلے!)

راہ نبوت ایک اسلامی تحفہ

جب بھی مسلمان طرح طرح کے مسائل ومشکلات کی گردش میں آجائیں جس سے ان کا دم گھٹنے لگے، زندگی کا کیف ختم ہوکر تکدرات کا شکار ہوجائیں۔ اقوام وملل ان کے خلاف ہلا بول کر ان کو اپنے نرغے میں لے لیں، اس وقت ان کو چاہئے کہ اسلام کے دور اول کو چشم تصور میں لائیں کہ کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع اسلام کیساتھ نوع بہ نوع مصائب وآلام کا سامنا کیا، جس کا اندازہ کرنا بھی ممکن نہیں، آپ بڑی سے بڑی مصیبت میں انتہائی طویل اور سخت آزمائش کے سامنے جمے رہے اور اپنے موقف سے بال برابر بھی نہ ہٹے۔ آپ کے خلاف دشمنوں نے کتنی سازشیں کیں، آپ کی سرگرمیوں کو روکنے کے کتنے منصوبے بنائے، کتنی دشواریاں آپ کے سامنے کھڑی کیں، ان تمام باتوں کے باوجود آپ اپنے موقف پر قائم رہے، اور پورے صبر واستقامت کے ساتھ اپنا پیغام پہونچاتے رہے، اور نصرت خداوندی کا انتظار کرتے رہے، بالآخر نصرت وتائید آسمان سے آئی، اور آپ کے حق میں تمام حالات پر قابو پالینے کا، اور آپ کی قوم کے سلسلے میں شکست وناکامی کا فیصلہ ہوا، آپ کے حق میں اقبال وسربلندی کی، اور ان کے حق میں ادبار ونحوست کی مہر لگ گئی۔

مسلمانوں کو تاریخ کے مختلف ادوار میں اگر رکاوٹوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑے تو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ اہل حق اور متبعین انبیاء کی سنت ہر زمان ومکان میں رہی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ایسے اعلیٰ نمونوں کی کمی نہیں ہے جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ ایام شدت وعسرت اور زمانہ وسعت وفرحت میں ان کو اسوہ بنائیں۔ آپ کی حیات طیبہ ایمان وصبر، ورع وتقویٰ، شکر وفرحت اور مسرت، عزیمت

واستقامت، توکل اور انسانی زندگی کے تمام احوال واطوار سے متعلق بے شمار واقعات اور مثالوں سے معمور ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان کامل کے لئے اس کے تمام اعمال واحوال، کیفیات کے ساتھ اللہ اور لوگوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں مکمل مثال ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجوالله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتے ہیں، اور انہوں نے اللہ کو خوب یاد کیا۔''

اسی وجہ سے تمام مسلمانوں کو سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کے مطالعے کی دعوت دی گئی ہے۔ جو اپنی جگہ پر عدیم المثال اور بے نظیر ہے۔ جس قدر اس کی گہرائیوں میں جائیں گے۔ ان کو اپنی بیماریوں کا علاج اور زخموں کا مرہم ملتا جائے گا۔ اور باطنی امراض سے شفا حاصل ہوتی رہے گی۔ یہ منزہ ومعطر سیرت خداداد عطیہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول کو بخشا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے بہ حیثیت خاتم الانبیاء منتخب فرمایا، اور آپ کو مبعوث فرما کر نبوت کا سلسلہ بہ جمیع وجوہ ختم فرمادیا۔ اور آپ ہی کی ذات ہے جس نے اصل راستے اور مقصد سے بھٹکے ہوئے انسان کی رہنمائی اور دین حق کی دعوت کا فریضہ انجام دیا، اور آپ ہی ہیں، جنہوں نے گمراہیوں اور بت پرستیوں کے اڈوں کو توڑ کر اسے توحید کا مرکز بنادیا۔ آپ ہی نے تاریکی کا پردہ تار تار کیا، اور جادۂ حق کو روشن کر کے دلوں کو مایوسی کے دلدل سے نکال کر دم لیا۔

جب تک لوگ اس راہ پر گامزن رہیں گے، جس کو اسلام نے ان کے لئے ہموار کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حرز جاں رکھیں گے، اور کتاب اللہ اور احکام شریعت پر عمل پیرا رہیں گے، سربلندی وکامیابی ان کے قدم چومے گی، اور نصرت وخیر کا معاملہ جاری رہے گا، اور اسلام کے سایے میں امن وسکون کی زندگی گذارتے رہیں گے۔ اسلام کی آمد سے لے کر

آج تک کی تاریخ کے ہر دور میں یہ تجربہ رہا ہے، کیوں کہ مسلمان جب بھی دین وایمان کے سایے میں آئے، اور اللہ ورسول کی محبت میں زندگی گزاری، اور تقویٰ ومحاسن اخلاق کا دامن مضبوطی سے تھاما، زمانہ ان کے سامنے سرنگوں ہو گیا، اور دنیا نے ان کی عظمت کو تسلیم کیا، اور اقوام وملل نے ان کے نقش قدم پر چلنے میں فخر محسوس کیا، اور یہ توشۂ لازوال پہلے ہی جیسا آج بھی ہے۔ مسلمانوں نے جب بھی اس کو زادراہ بنایا، وہ کامیابی کی بلندیوں پر پہونچے۔

عطیۂ محمدی انسانی طبیعت ومزاج پر ہر طرح محیط اور پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اور ہر خوشہ چیں کے لئے یہ دسترخوان بلا تخصیص سجا ہوا ہے، یہ وہ دائمی بخشش ہے جسے ختم ہونا ہے اور نہ کم، اور نہ مادی قید وبند اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ جو بھی اپنی زندگی میں چار چاند لگانا چاہے، اور سرخرو وبلند اقبال ہونا چاہے، اپنے پروردگار سے قربت اور دنیا وآخرت میں آرام وعزت کا خواہش مند ہو اس کو چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان راہ کو سنگ میل بنائے اور عزت واکرام سے آراستہ عطیۂ ربانی کو زادسفر بنائے:

وما كان عطاء ربك محظورا۔

''کہ ''تمہارے رب کی دادودہش (صلائے عام ہے) کسی کے لئے اس میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔''

قوت واستحکام اور عزت وغلبے کا واحد راستہ یہی اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔

''وہی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس کو تمام ادیان پر غلبہ وبرتری عطا فرمائے، اور اللہ بہ حیثیت گواہ کے کافی ہے''۔

☆☆☆

کی محمدؐ سے وفا تو نے...

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تمام مسلمانوں کے لئے ایک بہترین نمونہ اور آئیڈیل ہے۔ خواہ ان کا تعلق کسی بھی خطہ وقوم اور ملک ووطن سے ہو۔

انسان کی دینی و دنیوی، انفرادی و معاشرتی اور تعلیمی وثقافتی زندگی میں جس طرح کے بھی معاملات، ضروریات اور تقاضے پیش آسکتے ہوں، ان کی عملی تصویر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پنہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہر طرح کے پیش آیندہ واقعات کو ظاہر کر دیا، اور آپ نے ان کی تصدیق یا تردید فرما کر ایک رہنما اصول پیش کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جلوہ آرائی زندگی کے تمام شعبوں میں سایہ فگن ہے۔ صلح وآشتی کی کارفرمائی ہو یا جنگ وجدال کی گرم بازاری، خانگی امور ہوں یا معاشرتی مسائل، بازار کی ہنگامہ آرائی ہو یا مسجد کا جلال وتمکنت، دوستوں کی محفل ہو یا دشمنوں کا مجمع، عفوودرگزری کا موقع ہو یا بدلہ وقصاص کا منظر، غصہ وجلال کی گھڑیاں ہوں یا خوشی ومسرت کے لمحے، نرم دم گفتگو یا گرم دم جستجو، رزم ہو یا بزم ہو، غرض زندگی کے ہر شعبے، ہر معاملے، ہر حالت اور ہر موقع پر رسول اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ایک منارۂ نور ہے، جو پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی ضیاپاش کرنیں بکھیر رہا ہے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت زندگی کے ہر معاملے میں نمونہ نہ ہوتی تو نہ اس دین کو آخری دین ہونے کا شرف حاصل ہوتا، نہ اس شریعت کو افضل ترین شریعت ہونے کا اعزاز ملتا، اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ہونے کا تمغۂ افتخار حاصل ہوتا۔

یہیں سے ہم اس حقیقت کا ادراک بہ خوبی کر سکتے ہیں کہ دین اسلام اپنی تمام تر تفصیلات، جزئیات اور لوازمات کے ساتھ ایک فطری دین ہے، خواہ اس کا ابتدائی زمانہ ہو، اور اس کے حاملین اولین ہوں، یا اس کا آخری دور ہو، اس دور میں اس کے شیدائی و پیروکار ہوں، خواہ اس کا اولین مرکز اور منبع نور و ہدایت ہو، یا مرکز نبوت سے بہت دور کوئی خطۂ ارض ہو، ہر دور میں اس دین کا فطری ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

بلاشبہ یہ دین ہر طرح کے مصالح، حالات اور ماحول کی بھرپور رعایت کرتا ہے، اور وقت و حالات، عرف عام و مصلحت ہی کے تحت اپنا حکم جاری کرتا ہے، ہر ماحول اور ہر طرح کے لوگوں پر ایک ہی رائے اور ایک ہی حکم نافذ نہیں کرتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حالات و مصالح کی جتنی رعایت اسلام نے کی ہے، اقوام و ملل کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تعلیم و تربیت کے میدان میں کام کرنے والے ہر مخلص مربی و معلم، بساط سیاست کے ہر صالح قائد و لیڈر، ہر دانا و بینا سردار و فرماں روا، ہر شفیق باپ اور شریف انسان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ زندگی ایک مثال و نمونہ ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ زندگی کے ہر گوشہ و پہلو اور ہر سچے و پکے مسلمان کے تمام طرز ہائے معاشرت میں آپ ہی کی زندگی ایک آئیڈیل اور مثال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہر عاقل، منصف، بالغ نظر اور دانش ور کے لئے ایک کھلی کتاب کے مانند ہے۔ جس کی تہوں میں نصیحتوں، عبرتوں اور سبق آموز واقعات کے جواہر پارے بکھرے ہوئے ہیں۔ اگر کسی نے ذرا بھی توجہ سے اس کتاب زندگی کی ورق گردانی کی تو چمنستان سیرت نبوی کے گل ہائے رنگا رنگ سے اپنے گل دستۂ حیات کو سجالے گا، اور زندگی کی اس پر پیچ اور دشوار گزار راہ میں ایسا زاد سفر پائے گا، جس کو زوال نہیں، ایسے بحر ناپیدا کنار سے فیض یاب ہوگا، جس سے زندگی کے کشت زاروں کو مسلسل سیراب کرنے کے باوجود اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور ایسا مشعل راہ جس سے تیز و تند طوفانوں کے تھپیڑوں میں بھی شمع رشد و ہدایت کی بے مثال فروزانی و تابانی حاصل رہے گی۔

جب کسی زندگی کو ایسا زاد سفر، ایسا چشمۂ حیواں اور ایسا مشعل راہ مل جائے تو اس زندگی کو

بھلا اب کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے!؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے، آپ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کے طرز زندگی کو حرز جاں بنانے سے زیادہ سعادت وخوش بختی کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن اس سعادت عظمیٰ اور اسوۂ حسنہ سے وہی بہرور ہو سکتے ہیں، جن کے دلوں کے نہاں خانوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دریا موج زن ہو، اور دل کی ہر دھڑکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ومحبت کے جذبے سے سرشار ہو۔

''اے محمد! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم سے محبت کرے گا''۔ (القرآن)

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح وقلم تیرے ہیں
(اقبال)

☆☆☆

جاہلیت کی ایک سچی تصویر

میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک ایک آیت کریمہ نے میرا دامن تھام لیا، اور کچھ دیر کے لئے غور وفکر کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ یہ تھی، جو زمانۂ جاہلیت کی بیمار ذہنیت اور غلط نفسیات کی بھرپور عکاسی کر رہی تھی:

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اسکا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور وہ گھٹا گھٹا رہتا ہے وہ اس منحوس خبر پر لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ، اس کو ذلت کے ساتھ رکھ چھوڑے، یا اس کو مٹی میں دفن کر دے، افسوس! کیا برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں!!'' (النحل:۵۸-۵۹)

نور نبوت سے چودہ سو سال پہلے آج کوئی شخص زمانہ جاہلیت کے اس پرفتن و پرآشوب دور کی معرفت تو کجا صحیح تصور بھی نہیں قائم کر سکتا، لیکن قرآن کریم نے ہمیں اس سے بے نیاز کر دیا، اور اپنے معجزانہ اور بلیغ اسلوب میں اس ماحول کی ایک جامع اور مکمل تصویر پیش کر دی، جس کے دریچے سے جھانک کر انسان زمانۂ جاہلیت کے خط وخال کا جائزہ لے سکتا ہے، اور اس شقاوت وبدبختی کا نظارہ کر سکتا ہے جس نے انسانیت کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا، اور یہ دیکھ سکتا ہے کہ کس طرح ہر قسم کے ظلم وفساد، وحشت وبربریت اور درندگی نے اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی تھیں، اور اپنے خونی پنجے انسانی دل ودماغ میں پیوست کر رکھے تھے، انسانیت کا بدن داغ داغ اور دامن تار تار ہو چکا تھا، وہ ایک لاشۂ بے جان بن چکی تھی، جس میں روح کی تپش تھی نہ دل کا سوز تھا، اور نہ عشق کی حرارت تھی، نوع انسانی کے بقا کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی، اور یہ یقین ہو چکا تھا کہ، ہمیشہ کے لئے بساط عالم لپیٹ دی جائے، یہ سب کچھ ہوتا

اگر خدائے ذوالجلال نے انسانیت پر رحم وکرم کی بارش نہ کی ہوتی۔ اور یہ فیصلہ نہ فرمادیا ہوتا کہ شقاوت وبدبختی اور وحشت وبربریت کے ظالمانہ نظام سے انسانوں کو نکال کر، اسلام کے وسیع وعریض اور عدل وانصاف کی گھنیری چھاؤں میں لے آئے۔

ایک ایسے دور میں جب کہ دنیا بغض وکینے کی گندگی سے ملوث تھی، اختلاف وانتشار کا دور دورہ تھا اور ظلم وبربریت اور نفرت انگیزیوں نے انسانوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تھا۔ نفاق و شقاق کا عفریت دیوانہ وار برہنہ رقص کررہا تھا۔ غرض دنیا میں جنگل کا راج تھا، اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی کہ یکا یک انسانیت کے سرد جسم میں گرم خون کی ایک رودوڑی، نبض میں حرارت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی، اور حراء کے غار سے ایک آفتاب طلوع ہوا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی ورہبر بن کر اس دنیا میں تشریف لائے، اور ہدایت کی مشعل روشن کی۔

زباں پہ بارِ خدایا، یہ کس کا نام آیا!!؟
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

جوں ہی آپ نے لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی، اور بتوں سے بے زاری کا اظہار فرمایا، گمراہ ومنحرف طاقتیں غصے سے تلملا اٹھیں۔ کیوں کہ یہ نعرہ ان کے پورے تصور پر ایک ضرب کاری تھا۔ جس نے کفر وشرک کے ایوانوں کو لرزہ براندام کردیا تھا۔ اور یہیں پر چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی کشمکش کا آغاز ہوگیا۔ انہوں نے اس آواز کو خاموش کرنے کی کوشش شروع کردی۔ جو ببانگ دہل ان کے معبودان باطل کی مخالفت اور ان کے آباواجداد پر تنقید کررہی تھی۔ تمام قبیلے اس مرد آہن کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، جس نے سیکڑوں معبودان باطل کی پرستش کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کی پرزور صدا لگائی۔

آپ کی مخالفت ومقابلہ آرائی میں انہوں نے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اور ہر طرح کی تدبیروں اور ہتھیاروں سے لیس ہوگئے۔ اور اپنا ایک مضبوط بلاک بنالیا۔ حالات اس بات کی غمازی کررہے تھے اور قرائن سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باغیوں، سرکشوں، اور سنگ دلوں کی دشمنانہ اور شاطرانہ چالوں اور شرک وکفر کے اس تند

وتیز سیلاب میں اپنے قدم نہ جما سکیں گے۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں وہ ظالمانہ طاقت تھی، جو راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ یہ طاقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سامنے سد سکندری بن کر حائل ہو گئی، اور یہ تہیہ کر لیا کہ ایک فیصلہ کن وار سے اس دعوت کا چراغ، ہمیشہ کے لئے گل کر دیا جائے، لیکن بالآخر ان کے حصے میں مایوسی، عاجزی، محرومی اور ناکامی ہی آئی، اور ہر طرح کے وسائل، امکانات اور مواقع حاصل ہونے کے باوجود نہ آپ کو کوئی گزند پہونچا سکے اور نہ آپ کی دعوت اور مہم کا خاتمہ کر سکے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

ان دشمن طاقتوں میں کسی گروہ کو بھی اپنی کثرت تعداد و وسائل کے باوجود اس کا موقع نہ مل سکا کہ آپ کی سعئ پیہم اور جہد مسلسل کو روک سکے، بلکہ آپ نے پوری طاقت، پورے نشاط اور اعتماد کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا۔ اور حیرت انگیز برق رفتاری اور تیز روی کے ساتھ آپ کی دعوت پھیلتی چلی گئی، اور یکے بعد دیگرے مختلف قبائل اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے چلے گئے، اور مخالف طاقتیں شکست کھا کھا کر میدان سے ہٹتی گئیں، اور لوگ جوق در جوق اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر اطاعت خم کر دیتا، تو اسے نہ اپنے خاندان کی مخالفتوں کی پرواہ ہوتی اور نہ قبیلے کی مزاحمت کا اندیشہ دامن گیر ہوتا۔ اس کا یہی مشن ہو جاتا کہ اسلام کا کلمہ بلند ہو، نبی کا آوازہ چار دانگ عالم میں پھیل جائے، اور زندگی کے تمام معاملات میں اسلام ہی اس کا دستور العمل اور نظام حیات بن جائے، جس کو قرآن نے نہایت ہی واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے:

"ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه"

''جس نے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہا ہرگز اس سے وہ دین قبول نہ کیا جائے گا۔''

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی، جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

اس دین کی صداقت، بقا اور اس دعوت کی ہمہ گیری اور وسعت پذیری کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نامساعد حالات میں کامیابی و کامرانی حاصل کی، جن حالات میں کامیابی کی امید ایک فیصد بھی نہ تھی۔

اگر یہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہوا ہوتا اور دائمی نہ ہوتا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ ہوتے تو اس دین کو اس قدر جلد غلبہ اور اقتدار نہ حاصل ہوتا۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ اس سرزمین پر جب بھی کسی انسانیت کا گلا گھونٹا گیا اور اخلاقی گراوٹ انتہا کو پہونچ گئی اور دنیا میں زبردست اخلاقی انارکی اور بحران پیدا ہوا، اور جب بھی حالات بد سے بدتر ہوئے، اور بدعت و خرافات اور منکرات کا دور دورہ ہوا، اسلام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آیا، اور ان گندگیوں کو کائی کی طرح چھانٹ کر رکھ دیا، اور اس نے تجدید و اصلاح کا بیڑہ اٹھایا اور دنیا کو اس کے صحیح ڈگر پر چلایا، جس سے دنیا میں سعادت، خوشی و مسرت اور امن و امان کی باد بہاری چلنے لگی۔

"سنة الله فی الارض ولن تجد لسنة الله تبدیلا"
(یہی زمین میں خدا کا طریقہ ہے، ہرگز تم، اس میں تبدیلی نہ پاؤ گے)۔

☆☆☆

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار

یہ کائنات جو ہمارے سامنے ہے، اور جس کی چمک دمک سے ہماری نگاہیں خیرہ ہو رہی ہیں، اور جس میں نئی نئی دریافتوں کا سلسلہ برابر جاری ہے، جہاں تہذیب وتمدن کے نت نئے گوشے برابر ظہور پذیر ہو رہے ہیں اور انسانی معاشرہ بلندی کی آخری منزل پر پہونچتا ہوا نظر آرہا ہے، اس کائنات کا وجود رہین منت ہے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی کا اور آپ کی ولادت باسعادت کا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی، اور یہ کائنات رنگ وبو بہت پہلے دم توڑ چکی ہوتی، اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت نہ ہوئی ہوتی، اور آپ نبی آخر بنا کر نہ بھیجے گئے ہوتے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اعلان کیا: وما ارسلناك إلا رحمة للعالمين۔

یہ دنیا اپنی طویل تاریخ میں بارہا خواب غفلت میں مبتلا ہو چکی ہے، بارہا یہاں کے انسانوں نے اپنا مقام بھلایا ہے اور وحشت وبہیمیت کے خوفناک سائے ان پر منڈلائے ہیں، لیکن غفلت ووحشت کی جس تاریکی نے ان پر اپنا سایہ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں پھیلایا تھا، اور دنیا کے باشندے اس عہد میں جس طرح بے مہار ہو گئے تھے، اور انسانیت ایک لاشئہ بے جان ہو چکی تھی، اس کا مشاہدہ تاریخ کی آنکھوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہ وہ عہد تھا جب کہ ایک طرف تہذیب وتمدن کا ستارہ اپنے عروج پر تھا۔ دوسری طرف انسانوں میں دو طبقے پیدا ہو گئے تھے، ایک حاکم دوسرا محکوم، ایک ظالم دوسرا مظلوم، ایک خادم دوسرا مخدوم۔ اور ہر طبقے کے لئے زندگی کی علیحدہ علیحدہ حدیں مقرر

تھیں۔محکوم ومظلوم طبقہ معمولی جانوروں کی صف میں شمار ہوتا تھا۔ اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا۔ آپ بعثت نبوی سے قبل عجمی تمدن کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے تو یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجائے گی۔

اس وقت کے حالات بالکل ایسے تھے کہ یا تو یہ دنیا ہمیشہ کے لئے مٹادی جاتی، اور اس کا چراغ آندھیوں کی تاب نہ لاکر ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا۔ یا اس کو از سر نو دوسری زندگی عطا ہوتی اور اس کی حیات نو کا فیصلہ کیا جاتا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت دنیا کے لئے نئی زندگی کا پیغام لے کر آئی۔ انسانیت کی شب تاریک کو صبح صادق کا پیام ملا، تمام حیوانی طاقتوں، کفر وشرک، قتل وخوں ریزی، ظلم وناانصافی کے خلاف ایک اعلان عام ہوا، اور کائنات نے نئی زندگی کا جامہ زیب تن کیا، چمنستان عالم میں بہار آگئی اور ہر طرف روشنی پھیل گئی۔

ولد الهدى فالكائنات ضياء وفم الزمان تبسم وثناء

''نور ہدایت نمودار ہوا، اور ساری کائنات روشن ہوگئی، زمانہ اس نور ہدایت کی تعریف میں رطب اللسان ہے، اور مسرتوں سے لبریز۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح کسی مخصوص وقت کے لئے مخصوص قوم کی رہنمائی یا کسی مخصوص وقتی فتنے کو ختم کرنا نہیں تھا، بلکہ آپ ایک نئے عہد کے علم بردار ہیں جو دنیا کے کسی عہد میں قدیم نہیں ہوسکتا بلکہ ہمیشہ اور ہر لمحے تازہ اور بالکل جدید ہے۔ یہ انسانیت کی عظمت وعزت اور اس کی شرافت و سعادت کا وہ پیغام ابدی ہے جس نے انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنایا، اور جس کو اختیار کر کے انسانیت ہمیشہ کے لئے کامیاب وبامراد ہوگئی۔

بے سروسامانی اور ظاہری وسائل کے مفقود ہونے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم تر کامیابی اور انتہائی مخالف اور نازک حالات میں آپ کا غالب ومنصور ہونا، اس بات کی بالکل کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ خالق کائنات کا بھیجا ہوا وہ پیغام ابدی تھا، جو تنہا

انسانوں کی کامیابی و بلندی کے لئے آیا تھا، اور جس کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انسان اپنے صحیح مقام سے واقف ہو جائے، تاکہ دنیا کے حالات اپنی اصل فطرت پر لوٹ آئیں اور ہر چیز اپنا صحیح مقام پالے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ مصیبت و آزمائش اور بے سروسامانی کے وقت بھی آپ پر گھبراہٹ، پریشانی اور بے اطمینانی کی کیفیت نہیں پیدا ہوسکی، اور اہل دنیا کی مخالفت و ایذا رسانی آپ کو اپنے مقصد میں انہماک سے کسی درجے میں بھی نہیں روک سکی۔ حالات کا مقابلہ آپ نے صبر وسکون اور ایمانی قوت سے کیا، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو انعام فرمایا تھا۔ بالآخر آپ طوفان میں گھر کر نکلے، حالات بدلے، اور مخالفت وعداوت کی پرشور آندھیاں بھی چراغ نبوت کو بجھا نہ سکیں، دیکھتے ہی دیکھتے کایا پلٹ ہوگئی، بڑے بڑے سرداران قوم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اور ایمان ویقین نے دلوں میں اپنی جگہ بنانا شروع کردی۔ پھر ہجرت کا واقعہ پیش آیا، جو اسلام کی کامیابی اور اس کے پھیلاؤ کا نقطۂ آغاز شمار ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر شعبے کے ہر جزء میں انسان کامل، نبی برحق، فخر انسانیت کے آثار ہویدا ہیں، آپ جس حالت میں چاہیں اس زندگی کو دیکھ لیں، کہیں سے آپ کو کوئی ایسی ادنیٰ چیز نہیں مل سکے گی جس سے حضورؐ کے نبی برحق ہونے پر کسی شبہ کی گنجائش نکل سکے۔ خواہ صلح کی حالت ہو یا جنگ کی، خوشی کا موقع ہو یا غم کا، عزت ونصرت کا احساس ہو یا عاجزی و بے بسی کا شعور، مسجد کی زندگی ہو یا بازار کے لمحات، دوست کے ساتھ گفتگو کرنے کا وقت ہو یا دشمن کے ساتھ، عبادت کی حالت ہو یا آرام کی، صحابۂ کرامؓ سے مخاطب ہوں یا کسی اور سے، غرض ہر جگہ اور ہر لمحے اور ہر وقت آپ دیکھیں گے کہ نبوت کے تقاضے اور پیغمبری و رسالت کے آداب واطوار ایک لمحے کے لئے بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑتے، اور ایک انسان کامل اور نبی برحق کے سارے اوصاف آپ کے اندر پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کے امتی ہونے کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہم ہر سال ربیع الاول کے مہینے میں ایک رسم کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی یادگار منالیں، بلکہ آپ کے اتباع اور محبت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم ان حالات کا جائزہ لیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ فرمایا، اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نئی زندگی عطا کی۔

کسی بڑے اور نیک مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ انسان اس مقصد کو اپنی زندگی کا جزء بنالے، اور اس کے لئے ہر طرح قربانی دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار پائے، ہماری زندگی اور ہمارے معاشرے کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے اندر اخلاص وقربانی کے وہ جذبات نہ صرف سرد پڑ چکے ہیں، بلکہ مردہ ہو چکے ہیں، درآں حالیکہ ہماری تاریخ، ہمارا مذہب اور ہماری تہذیب ایثار وقربانی کا سب سے بڑا مرقع ہے، اور ایثار وقربانی ہی دراصل اس بلند عمارت کی اساس ہے۔ یہ کتنی بڑی ناشکری ہے، کہ جو ذات گرامی اس کائنات کی نئی زندگی، اور انسانوں کی بلندی وسعادت کا باعث بنی، ہم اس کے اس احسان عظیم کو بھلادیں، اور ان تمام تعلیمات سے منہ موڑلیں جو ان کی عظمت کا نشان ہیں۔

ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کا ہر وقت عہد کرتے رہنا چاہئے اور حضور کی سیرت کو اپنے لئے اسوہ بنا کر اس کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کو اپنا شیوہ بنالینا چاہئے۔ سال میں ایک دفعہ محض رسمی طور پر یادگار سیرت منالینا کسی طرح کافی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس سیرت طیبہ کا نمونہ ہر وقت اور ہمہ دم ہماری نظروں کے سامنے ہونا چاہئے، تاکہ ہم اسی کے مطابق اپنی سیرت کی تعمیر کرسکیں، اور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم احسان کا کچھ حق ادا کرسکیں۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسراست
کسے کہ خاک درش نیست، خاک برسراو
(اقبالؒ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم

''مجھے صرف اس لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، تا کہ میں اعلیٰ ترین اخلاق کی تکمیل کروں''۔

ان الفاظ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بیان فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''بے شک آپ عظیم ترین اخلاق کے درجے پر فائز ہیں''۔

قرآن وحدیث کی ان دونوں شہادتوں کی روشنی میں ہم رسول اکرم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں سے خالی نہیں۔ آپ ہر جگہ، ہر وقت اور ہر موقعے پر اخلاقی عظمت کا نقش قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ گھر کی زندگی ہو یا گھر سے باہر کی، وعظ ونصیحت کی مجلس ہو یا تعلیم وتربیت کی، مسجد ومحراب ہو یا بازار ہو، دشمن کے ساتھ ہوں یا دوست کے ساتھ، صلح وآشتی کی حالت ہو یا لڑائی کا میدان ہو، غصے کی کیفیت ہو یا فرحت وانبساط کی، کسی حال میں آپ اخلاقی قدروں کی تعلیم سے، اوران پر خود عمل پیرا ہونے سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے۔

انسان کی زندگی میں بہت سے ایسے موقعے آتے ہیں، جب وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اخلاق کا تقاضا کیا ہے، اور کس طرح وہ اپنی بلند اخلاقی کو قائم رکھ سکتا ہے، مگر نبی اکرم کی زندگی کا کوئی ایک ایسا واقعہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا، جب آپ اپنے اخلاقی درجے سے کسی وقت بھی ذرا نیچے اترے ہوں، یا آپکے بلند اخلاق پر کوئی دھبہ لگا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی تعلیم کا زبردست اہتمام کیا، وہ تمام نیکیوں کی بنیاد اخلاق کی بلندی پر رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ جب اخلاق درست ہوں

گے تو پوری زندگی اپنی صحیح راہ پر چلے گی، اور اس کا اثر دوسروں کی زندگیوں پر پڑے گا اور ایک مثالی معاشرہ قائم ہو سکے گا۔ چنانچہ جب بھی دنیا کے انسانوں نے رسول اکرم کی اخلاقی تعلیم کو مشعل راہ بنایا، وہ زندگی کے ہر میدان میں کامیاب رہے، ہر طرف امن و عافیت کا ماحول قائم رہا، بھائی چارگی، ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی، باہمی تعاون کا جذبہ، اور ایک دوسرے پر اعتماد کی فضا قائم ہوئی، برائیوں کا خاتمہ ہو گیا، اور اخلاقی گراوٹ کا کسی شکل میں بھی کوئی وجود باقی نہیں رہا۔

آیئے ذرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کا مختصر جائزہ لیں، تاکہ ہمیں یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہ پیش آئے، کہ آپ نے زندگی کو اخلاق سے مزین کرنے اور بنی نوع انسان کو اخلاقی عظمت سے روشناس کرانے میں کتنا اہم اور تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: ''حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی عمل مؤمن کی میزان عمل میں نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ بدزبان اور منہ پھٹ کو ناپسند کرتے ہیں''۔ صحابۂ کرام نے ایک دفعہ سوال کیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز لوگوں کو جہنم میں گرائے گی؟ تو فرمایا کہ: ''زبان اور شرم گاہ''۔

بلاشبہ زبان اگر بے لگام ہو جائے اور اس پر کنٹرول ختم ہو جائے تو بے حساب دشواریاں اور مصیبتیں رونما ہوتی ہیں۔ اسی کی بدولت خاندانوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں، اور دشمنی اپنی آخری حد پر پہونچ کر دم لیتی ہے، قتل وخون کی نوبت آجاتی ہے، گھر بار اجڑ جاتے ہیں، خاندان اور معاشرے تباہ ہو جاتے ہیں، اور نہ جانے کیا کیا مصیبتیں آتی ہیں، دنیا کی کتنی ہی لڑائیاں اور انسانوں کی بربادی کی داستانیں اسی زبان کی لغزش کا نتیجہ ہیں۔ زبان کی بے اعتدالی ہمیشہ رنگ لا کر رہتی ہے۔ اسی سے لوگ جھوٹ بولتے ہیں، اسی سے غیبت کرتے ہیں اور اسی سے گالیاں بھی دیتے ہیں، اور اسی زبان کے کرشمے دو سچے دوستوں کو دشمنی کی آگ میں جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔

زبان کی برائی کسی حد پر جا کر ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے نتائج بڑے دور رس اور اس کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔ اسی زخم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کبھی اچھا نہیں ہوتا اور ناسور بن جاتا

ہے۔آپ جتنا ہی سوچیں گے اسی قدر زبان کی تباہی کا راز آپ پر کھلتا جائے گا۔اور اس کے منفی پہلو ایک ایک کر کے آپ کی نظروں کے سامنے آتے جائیں گے، اس لئے کہ زندگی کی خرابیوں اور دنیا کی مصیبتوں میں زبان کا بڑا حصہ ہے۔لیکن یہی زبان جب نیکیوں میں استعمال ہوتی ہے، تو زندگی کی خرابیوں کو خوبیوں میں اور بدنام معاشرے کو نیک نام سوسائٹی میں تبدیل کر دیتی ہے، اور ایک مثالی سماج قائم کرنے میں نہایت اہم رول ادا کرتی ہے۔

اسی طرح جو لوگ شرم گاہ کی حفاظت نہیں کرتے، اور اس کے غلط استعمال کے تباہ کن نتیجے پر غور نہیں کرتے، وہ نہ صرف اپنی زندگی اور خاندان تباہ کرتے بلکہ وہ دراصل پوری سوسائٹی میں ایک کینسر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور اس کی لپیٹ میں نہ جانے کتنی معصوم زندگیاں آجاتی ہیں، پھر اس کے نتیجے میں وہ ساری برائیاں پھیلتی ہیں، جو کسی صحت مند معاشرے کو بلا تاخیر ختم کر دینے کے لئے بالکل کافی ہوتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم تو بہت وسیع ہے، لیکن مزید چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے، جن کے بغیر زندگی کا صحیح لطف نہیں حاصل ہوسکتا، اور اس کی تعمیر مکمل نہیں ہو پاتی۔آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تواضع اور انکساری کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ: کوئی آدمی کسی پر فخر نہ کرے، کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے، اور فرمایا کہ: اگر کوئی شخص خدا کے لئے تواضع برتتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرما دیتے ہیں، اور جو شخص کسی کے سامنے اونچا بنتا ہے، اور تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتے ہیں۔

آپ نے سچائی اور سچ بولنے کی تعلیم دی اور فرمایا کہ: سچ بولنے سے گریز نہ کرو، خواہ تم کو محسوس ہو کہ سچ بولنے میں ہلاکت اور تباہی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ سچ بولنا ہی دراصل ہر طرح کی مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہے۔اور فرمایا کہ: دیکھو! سچ بولنے میں نجات اور کامیابی ہے، اور جھوٹ بولنے میں ناکامی اور ہلاکت ہے۔اور فرمایا کہ: سچائی میں اطمینان قلب ہے اور جھوٹ بولنے میں دل بے چینی اور خوف میں مبتلا رہتا ہے۔

ایفائے وعدہ کی زندگی میں بڑی اہمیت ہے، اس کی وجہ سے سوسائٹی میں اعتماد و محبت اور

خلوص و یگانگت کی فضا قائم ہوتی ہے، یقین و خودداری اور جرأت و ہمت کا رنگ غالب آتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کسی کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس پر سختی سے قائم رہے۔ نہ اس کو توڑے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی کرے، یہاں تک کہ معاہدے کی مدت گذر جائے۔ اور فرمایا کہ: کوئی آدمی اگر کسی کو اس کی جان کی امان دیتا ہے، پھر اس کو قتل کر دیتا ہے تو میں ایسے شخص سے بری الذمہ ہوں، خواہ وہ مقتول غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: منافق کی تین نشانی ہے:، اگر بات کرے تو جھوٹ بولے، اور وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور امانت رکھے تو خیانت کرے، ایک دوسری جگہ فرمایا کہ: اگر تمہارے ساتھ کوئی خیانت کرلے بھی تو تم اس کے ساتھ ایمانداری برتو۔ یہ بھی فرمایا کہ: جو امانت دار نہ ہو، اس کے ایمان کو کوئی اعتبار نہیں، اور جو وعدہ خلافی کرے اس کی دین داری معتبر نہیں۔

صبر کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: صبر نصف ایمان ہے، اور کسی کو بھی صبر سے بڑھ کر وسیع اور قیمتی کوئی انعام نہیں دیا گیا۔ ایک دفعہ رسول اکرمؐ، ایک قبر کے پاس سے گذرے، وہاں ایک عورت بیٹھی ہوئی رو رہی تھی، دیکھ کر فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، اس عورت نے حضور کو نہیں پہچانا اور کہا کہ آپ جایئے، آپ کو کیا معلوم کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے، بعد میں اس عورت کو معلوم ہوا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، فوراً حضور کے پاس آئی اور اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی دربان وغیرہ نہیں ہے، وہ حاضر خدمت ہوئی اور اس نے کہا کہ اس وقت میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ تو حضور نے فرمایا کہ: مصیبت کے پہلے ہی صدمے پر صبر کرنا معتبر ہے، مطلب یہ ہے کہ صبر تو آخر کار کرنا ہی پڑتا ہے، لیکن شروع ہی میں صبر کیا جائے تو اس کا ثواب بہت ملتا ہے۔

تقویٰ، یعنی خدا کا خوف و لحاظ اور شرم و حیا کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ: تقویٰ اختیار کرو، یہ تمام بھلائیوں کی بنیاد ہے، اور خدا کے حقوق ادا کرو، تم سب سے بڑے متقی سمجھے جاؤ گے، شرم و حیا ایمان کا ایک جزو ہے۔ اور حیا سے سوائے خیر اور بھلائی کے کوئی اور چیز ظاہر نہیں ہوتی۔

غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے، اکثر بلا ارادہ اور کبھی قصداً بھی انسان غلطی کر بیٹھتا ہے۔ لیکن اس کی غلطی کو معاف کر دینا اور اس کے گناہ سے درگذر کرنا بھی ایک بڑی نیکی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں سوسائٹی کو جو تقویت حاصل ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دفعہ ایک غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ وہاں ایک سایہ دار درخت کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے۔ اور اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی۔ اتنے میں ایک غیر مسلم آیا اور اس نے حضور کی تلوار درخت سے اتار کر اپنے ہاتھ میں لے لی، اور اسے تان کر کہا کہ آپ مجھ سے ڈرتے ہیں یا نہیں؟ حضور نے کہا کہ نہیں، اس نے پھر پوچھا کہ اب کون مجھ سے آپ کو بچا سکتا ہے؟ آپ نے کہا کہ اللہ بچا سکتا ہے، اتنا کہنا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اور پھر اسے حضور نے اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے پوچھا کہ اب تم بتاؤ کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ معاف کر دیجئے، آپ نے کہا کہ تم کلمۂ شہادت پر ایمان لاتے ہو، اس نے کہا کہ میں یہ تو نہیں کر سکتا، لیکن اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی میں نہ خود آپ سے جنگ کروں گا، اور نہ ایسے لوگوں کا ساتھ ہی دوں گا جو آپ سے لڑنے کے لئے نکلے ہوں۔ تو حضور نے اس کو معاف فرما دیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے جا کر کہا میں نے آج ایک بہترین انسان کا تجربہ کیا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقیات کی تعلیم کے سلسلے میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، بڑوں کا احترام کرنا، والدین کی تعلیم اور خدمت کرنا، ایثار کرنا، سخاوت اختیار کرنا، زبان کو ہر طرح کی غیر متوازن اور بے جا باتوں سے محفوظ رکھنا، ظلم و جارحیت سے نفرت کرنا، قول و عمل میں توازن قائم رکھنا، اور ہر موقع پر انصاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہنا، یہ وہ تمام اخلاقی پہلو ہیں جن کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی توجہ خاص طور سے مبذول فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ کی اخلاقی تربیت کے زیر اثر جو سوسائٹی قائم ہوئی، وہ بنی نوع انسان کی تاریخ کا ایک ایسا اخلاقی اور اجتماعی معجزہ ہے

کہ اس کی نظیر دنیا کی کسی سوسائٹی نے نہیں پیش کی۔

موجودہ دور میں انسانی زندگی سیکڑوں دشوار گزار مسائل سے دوچار ہے۔ اور کم از کم امن وامان اور اعتماد ومحبت کی فضا سے عام طور پر لوگ محروم ہیں، ہر طرف بے چینی ہے، ہر جگہ ضد اور سرکشی ہے، لوگ امن وسکون کی تلاش میں سرگرداں ہیں، اور ہر سطح پر یہ تلاش جاری ہے، مگر افسوس کہ ہر طرح کی سائنسی اور علمی ترقیوں کے باوجود لوگوں کو یہ قیمتی جوہر دستیاب نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارا اخلاقی معیار ہر لحاظ سے بہت نیچے گر چکا ہے۔ اور محسن انسانیت نے جو اخلاقی تعلیم زندگی کو خوشگوار، اور بامقصد بنانے کے لئے ہمیں دی تھی، اسے ہم یکسر بھول چکے ہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اسے ہم قصداً نظر انداز کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ جب کہ ہم کو اس کی آج شدید ضرورت ہے۔

☆☆☆

کامیابی کا راز صرف طاقت نہیں

اگر ہم پوری انسانی تاریخ کا جائزہ لیں تو تاریخ کے کسی دور میں ہم کو کوئی ایسا مذہب نظر نہیں آئے گا جس نے جسم و روح کو باہم جمع کرنے اور مادی اور معنوی طاقتوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم، اور دین و دنیا کو بہ یک وقت ایک شاہراہ پر چلنے کی ایسی نشان دہی اور تلقین کی ہو، جس طرح اسلام نے کی، اس سلسلے میں اسلام کا جو کردار رہا ہے وہ ایسا کھلا ہوا اور فطری ہے کہ ہر انصاف پسند انسان اس کی اس خصوصیت اور اس کی عظمت تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مثال کے طور پر فریضۂ جہاد کو لے لیجئے، جو بہ ظاہر خالص مادی طاقت کے سہارے ادا ہو سکتا ہے، یا کم از کم اس کے لئے ظاہری ساز و سامان اور تیاری کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اسلام نے اس فریضے کی ادائیگی کے لئے مادی طاقتوں کے ساتھ معنوی طاقت کی تیاری پر زور دیا ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہاں پر بھی ایمان و تقویٰ کی قوت کو اولین ہتھیار اور مادی طاقت کے کامیاب ہونے کا پیش خیمہ قرار دیتا ہے۔ میدان جنگ میں بھی وہ تمام اسلامی اور انسانی آداب ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے، جو عام زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں، ایک طرف دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح سے تیار رہنے اور اس کے حملے کو روکنے کے لئے تمام ظاہری تدابیر پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت اور حکم ہے، اور الحرب خدعة (جنگ خفیہ تدبیروں کا نام ہے) کا اعلان عام ہے اور: واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (اور جہاں تک ہو سکے فوج کی جمعیت کے زور سے، اور گھوڑوں کو تیار رکھنے سے، ان کے مقابلے کے لئے مستعد رہو، کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں کے دلوں پر

ہیبت نہ رہے گی)۔ کا حکم ربانی ہے، تو دوسری طرف اس بات کی تلقین ہے کہ دامن تقویٰ کہیں چھوٹنے نہ پائے، ایمان کی قوت میں کوئی کمی نہ آسکے، نمازوں کی ادائیگی میں کوئی فتور نہ واقع ہو، اللہ تعالیٰ کا لحاظ اور اسکا خوف ہر وقت مستحضر رہے، اور اسی کے ساتھ یہ فرمایا گیا کہ: دشمن پر خود سے حملہ نہ کیا جائے۔ لیکن حملے کا جواب حملے سے ضرور دیا جائے تا کہ امت اسلامیہ کے وجود کو دشمن ختم نہ کر سکے اور اسلام کی عزت وعظمت میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنان اسلام سے بارہا جہاد فرمایا اور فتح وکامرانی حاصل کرنے کے لئے معنوی طاقت کے ساتھ مادی طاقت کا بھی انتظام فرمایا: چنانچہ مسلمان بہادروں نے اس زمانے میں خود ڈھال، تلوار اور کئی طرح کے ہتھیاروں کو اپنایا، اس زمانے میں ٹینک جس شکل وصورت میں موجود تھا اس کو بھی لڑائیوں میں استعمال فرمایا: جنگ خندق میں جب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا، تو آپ نے اس مشورے کو قبول فرمایا اور اس کو پسند کیا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے میں شریک تھے۔

اور آپ کے بعد تمام مسلمان اسلامی جہاد کے فریضے کی ادائیگی میں آپ کے نقش قدم پر صدیوں تک چلے، اور جب تک آپ کی اتباع کرتے رہے، سرخرو وفتح مند اور کامیاب ہوتے رہے۔ انہوں نے بڑے بڑے دشمنوں کو شکست دی، اور ایسی ایسی فتوحات حاصل کیں جو نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ پوری دنیا کی تاریخ کا ایک اہم ترین باب ہے۔

لیکن مادی وسائل واسباب، ظاہری تیاریوں اور تدابیر کی کامیابی کا سارا انحصار اس دوسری خفیہ طاقت پر ہے، جو انسان کے باطن اور اسکے ضمیر میں پنہاں ہے۔ اور وہ ہے ایمان ویقین کی طاقت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تربیت اسی نہج پر فرمائی تھی، آپ نے ان کے دلوں میں ایمان ویقین اور تقویٰ وعزیمت کا وہ بیج بویا تھا، جس کی جڑیں بے حد مضبوط تھیں اسی طاقت کی بدولت انہوں نے تاریخ اور دنیا کو عظمت وعزت کے وہ واقعات عطا کئے جو عقل کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے ہمیشہ بڑے

بڑے لشکروں اور زبردست طاقتوں سے نبرد آزمائی کی، اور ان کو ایسی شکست دی کہ وہ ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار ہو گئے یہی وہ طاقت تھی جو جنگ بدر میں ایک بھاری دشمن کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ مجاہدین اسلام کے لئے سرخروئی وکامرانی کا باعث بنی۔ اسی طاقت نے دو لاکھ سے زیادہ رومی سپاہیوں کو صرف چالیس ہزار مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار کر کے رکھ دیا۔ اور ان کا سر ہمیشہ کے لئے نیچا ہو گیا۔ کیا تاریخ ان واقعات کو فراموش کر سکتی ہے، اور کیا اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش ہے؟۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت ملاحظہ ہو جو لشکر کی روانگی کے وقت آپ کیا کرتے تھے:

''اللہ کا ڈر ہر وقت قائم رہے۔ غداری اور خیانت سے پرہیز کیا جائے۔ کسی بچے، عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کیا جائے۔''

اس وصیت کو بار بار پڑھئے۔ اعجاز وکمال کی اس بلندی پر بہ جز ایک رسول مبعوث کے اور کون پہونچ سکتا تھا؟ بالآخر یہی اصول اسلامی جہاد میں ہر جگہ کارفرما نظر آیا۔ صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔ خلفائے راشدین نے اس کی اتباع کی، اور وہ ہر جگہ، ہر موقع پر ہمیشہ کامیاب ہوئے، اللہ کا خوف ان کے رگ وریشے میں سرایت کر چکا تھا، وہ گھر میں ہوں یا مسجد میں، عام مجلسوں میں ہوں یا میدان جنگ میں، تقویٰ کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا تھا، اور یہی ان کی کامیابی کا اصل راز تھا۔ یہی وہ بنیاد ہے جو غیبی امداد کا سبب ہے۔ اسی کے باعث اللہ کی نصرت میدان جنگ میں بھی ساتھ دیتی ہے۔ وما النصر إلا من عند الله (اور مدد تو محض اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔) یعنی مادی وسائل اور تیاری ہی محض سب کچھ نہیں ہے، اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ شکست دے سکتا ہے۔ بلکہ فتح ونصرت کا اصل راز اللہ تعالیٰ کی رضا پر عمل پیرا ہونا، اور اس کا خوف دل میں پیدا کرنا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک موقع پر اپنے جنگی کمانڈر حضرت سعد بن وقاصؓ کو یہ وصیت نامہ لکھ کر بھیجتے ہیں:

''میں تم کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیتا ہوں، اس

لئے کہ تقویٰ دشمن پر قابو پانے اور جنگ کی سب سے کامیاب تدبیر ہے۔
میں تم کو اور تمہارے تمام ساتھیوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ دشمن سے زیادہ
گناہوں سے بچنے کی فکر کرو، اس لئے کہ لشکر کا گناہ اس کے لئے دشمن کی
مصیبت سے زیادہ خوفناک ہے۔ مسلمانوں کی کامیابی کا اصل سبب یہ ہے کہ
ان کے دشمن معصیت میں مبتلا ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقین جانو کہ ہم
کو ان سے لڑنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے کہ ہماری تعداد ان کی تعداد سے،
اور ہماری تیاری ان کی تیاری سے بہت فروتر ہے۔ لہٰذا اگر ہم گناہ میں ان
کے برابر ہو جائیں تو بلاشبہ وہ طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہوں گے۔ ہم محض
اپنے تقویٰ، اطاعت اور معاصی سے اجتناب کی بنا پر ان سے جیت سکتے
ہیں، یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے اس سفر میں اللہ کے مقرر کردہ کچھ فرشتے ساتھ
لگے ہوئے ہیں۔ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو، وہ اسے دیکھتے ہیں، اس لئے ان
سے شرم کرو، اور اللہ کی راہ میں نکلنے کے بعد گناہوں سے بہت اجتناب کرو،
اور یہ بھی نہ کہو کہ ہمارے دشمن ہم سے بدتر ہیں، اس لئے وہ ہم پر مسلط نہیں
کئے جا سکتے، خواہ ہم کتنی ہی کوتاہیاں کریں، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ بہت سی
اچھی قوموں پر بری قومیں مسلط کر دی گئیں، جس طرح بنی اسرائیل پر جب
انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں حصہ لیا تو مجوسی کافر مسلط کر دیئے گئے،
اور وہ گھروں میں گھس پڑے، اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہا"۔

اب دشمن کی زبانی بھی تقوے کی کہانی سن لیجئے۔ رومیوں کا بادشاہ ہرقل جب انطاکیہ میں تھا، تو رومی سپاہی شکست خوردہ اس کے پاس پہونچے۔ شکست کا حال سن کر اس کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے اپنے لشکر کے لوگوں سے پوچھا کہ مجھے اس قوم (مسلمانوں) کے بارے میں بتاؤ، جن سے ہمارا مقابلہ ہوا کیا وہ تمہارے.... جیسے انسان نہیں تھے؟ سب نے ایک زبان ہو کر اعتراف کیا کہ وہ بے شک ہمارے ہی جیسے انسان تھے۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ ان کی تعداد زیادہ تھی یا تمہاری؟ سب نے اعتراف کیا کہ ہماری تعداد ان کی

تعداد سے کئی گنا زیادہ تھی، تو تم کیوں شکست کھا گئے؟ ہرقل نے کہا، اس کا جواب ان کے ایک بزرگ نے اس طرح دیا:

''وہ لوگ (مسلمان) راتوں کو اٹھ کر عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، وعدے کو پورا کرتے ہیں، اچھی بات کا حکم دیتے ہیں، اور بری باتوں سے روکتے ہیں، آپس میں عدل وانصاف کا مظاہرہ کرتے ہیں''۔

اور ہم ان کے مقابلے میں بالکل برعکس،

''شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کا ارتکاب کرتے ہیں، بے وفائی کرتے ہیں، غصہ اور ظلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی باتوں کا حکم دیتے ہیں، اور اس کی رضا مندی کے کاموں سے روکتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں''۔

ہرقل نے کہا کہ تم نے بالکل سچ کہا!!۔

کیا یہ ساری باتیں اس بات کی کھلی ہوئی دلیل نہیں ہیں کہ صرف مادی طاقت آپ کے کچھ کام نہیں آسکتی، مادی اسباب ووسائل اور ظاہری تدابیر کی کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ معنوی طاقت اور ایمان ویقین، تقویٰ وعزیمت زادراہ ہو۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو دین ودنیا، اور جسم وروح کی تفریق کا قائل نہیں۔ وہ صرف صبر وتوکل اور زہد وقناعت کی تعلیم نہیں دیتا، اور نہ محض اسباب ووسائل پر اعتماد، اور ظاہری قوت پر بھروسہ کر لینے کی تلقین کرتا ہے، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں توازن اور دونوں پہلوؤں کی رعایت ضروری قرار دیتا ہے۔

☆☆☆

ہجرت کا بنیادی مضمون

سنہ ہجری کا آغاز ہجرت کے اس عظیم الشان تاریخی واقعے کی یاد تازہ کرتا ہے، جو تیرہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد، مسلسل اذیتوں، مشقتوں اور ہمت شکن حالات کا مقابلہ کرنے کے بعد پیش آیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکے سے مدینے جانے کے لئے تیار ہوئے، اہل مکہ کی عداوت آخری حد تک پہونچ چکی تھی اور وہ کسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے آپ ان کے شر سے بچنے کے لئے پہلے غار ثور میں چند دن قیام فرمایا، اور اسی اثناء میں زاد سفر، سواری اور رہبر کا انتظام بھی فرمالیا، اور ایک دن صبح کو قافلہ ہجرت مدینے کی طرف چل پڑا، اور تاریخ اسلام کے اس ٹھہرے ہوئے سمندر میں طغیانی شروع ہوگئی۔

ماقبل ہجرت کے یہ تیرہ سال اس بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کے مستحکم ہونے کے لئے ہزاروں، طوفان، سیلابوں اور طرح طرح کے گردشوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بنیاد کا پتھر مضبوط کرنے کے لئے وقت اور محنت، قربانی اور تحمل سب کچھ درکار ہوتا ہے، اس لئے جس بنیاد پر وقت و محنت صرف کئے بغیر اور اس پر مصائب کا بوجھ ڈالے بغیر عمارت تعمیر کردی جاتی ہے، وہ عموماً معمولی طوفان اور جھٹکوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور کسی ادنیٰ مناسبت سے گر کر منہدم ہوجاتی ہے، یا کم از کم ناقابل رہائش قرار دے دی جاتی ہے۔

ہجرت سے پہلے کی مدت دراصل اسلامی تاریخ کا وہ بنیادی پتھر ہے، جس نے ہزاروں طوفانوں اور زلزلوں اور طرح طرح کے جھٹکوں کو برداشت کر کے اپنا استحکام ثابت کرلیا تھا، اور اس پر ایک شاندار تاریخ کی بلند و بالا عمارت بے خوف و خطر قائم ہوسکتی تھی۔

ماقبل ہجرت کی سختیوں اور ان صبر آزما مصائب کے اندر، جن کو پیغمبر اسلام اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا تھا، ایک ایسی لازوال زندگی اور ایک ایسی شان دار فتح ونصرت مضمر تھی جس کو دنیا نے اسلامی شریعت کے نام سے پہچانا، اور جس نے دیکھتے ہی دیکھتے مشرق ومغرب، شمال وجنوب میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا، اور بے چین ومضطرب دنیا، گم کردہ راہ قوموں کو سکون وہدایت کی دولت دوام عطا کی، انسانیت کے تن مردہ میں روح پھونکی اور انسانوں کو ایک ایسا قانون فطرت عطا کیا جو ان کے تمام مسائل کا حل تھا، اور جس میں ان کی سعادت وکامرانی کا راز مضمر تھا۔

ہجرت کا واقعہ اس عظیم ترین کامیابی کا اعلان تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عظیم ترین مقصد میں بے شمار خطرات وپریشانیوں کو جھیلنے کے بعد حاصل ہوئی تھی، یہ واقعہ اعلان تھا اس بات کا کہ اسلام غالب ہے اور مسلمان مظفر ومنصور ہیں۔ یہ حق وباطل کی جنگ میں باطل کی شکست اور حق کی کامیابی کا اعلان تھا، یہ کفر وشرک کی پسپائی اور توحید ورسالت کے غلبے کا اعلان تھا۔ یہ آوازۂ حق کی صداقت اور شیطانی تدابیر کی ناکامی کا اعلان تھا۔ یہ انسانوں کی سعادت وفلاح اور جادۂ انسانیت سے دور بھاگنے والوں کی شقاوت وبدبختی کا اعلان تھا، ہجرت کا واقعہ راہ خدا میں سب کچھ قربان کردینے اور خدا ہی کے لئے جینے اور مرنے کا اعلان تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ انسان کو خدا کی راہ میں سب کچھ چھوڑ دینے اور سب کچھ نظر انداز کردینے کے بعد سب کچھ مل سکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ مل سکتا ہے جو اس نے چھوڑا یا نظر انداز کیا ہے۔

ہجرت کا واقعہ ایک مسلمان کے لئے بڑی عبرت وبصیرت کا حامل ہے۔ یہ کامیابی کا ایک نیا موڑ ہے، یہ پوری انسانیت کے لئے قیامت تک کے لئے امن وسکون اور عیش دوام کا پیغام ہے۔ ہجرت اخلاص ومحبت، قربانی واطاعت کا وہ معیار ہے، جس کے بغیر زندگی میں کامیابی کی امید کرنا عبث اور سعادت وسکون کی توقع رکھنا بے کار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تھی، لیکن مسلمانوں کی ہجرت یہ ہے کہ وہ گناہ ومعصیت کی زندگی سے طاعت وبندگی کی طرف ہجرت کریں، وہ

نفس اور شیطان کی پیروی چھوڑ کر اللہ اور رسول کی پیروی کریں، وہ برائیوں اور بداخلاقیوں کی دنیا سے ہجرت کر کے نیکیوں اور بلند اخلاقی کی دنیا کی طرف آئیں، ان کی ہجرت یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا آبائی وطن ترک کر کے کسی دوسرے شہر کو اپنا وطن بنالیں، اور اپنے اعزاء واقرباء کو خیر باد کہہ کے دوسرے لوگوں کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منسلک ہو جائیں، بلکہ ان کی ہجرت یہ ہے کہ وہ خدا کے دین کو مستحکم بنانے، اس کی شریعت کو نافذ کرنے اور اس کے قانون کو رائج کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی دیں، وہ منکر کو ختم کرنے، گناہوں کو نیست و نابود کرنے اور ظلم و ناانصافی کا قلع قمع کرنے کے لئے ہر طرح کی جدوجہد کریں، اور نیکی کو عام کرنے، خدا کی بندگی کو بروئے کار لانے اور عدل و انصاف کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی تمام توانائیوں اور جملہ صلاحیتوں کو صرف کریں۔

ہجرت کا یہی وہ بنیادی مضمون ہے، جس کے لئے یہ تاریخ وجود میں آئی اور اسلام کو فروغ حاصل ہوا، یہی تمام انسانی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے، اور اس سے تمام ناقابل تسخیر طاقتوں پر قابو پایا جاسکتا ہے، جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے، اس مفہوم کو ہم جتنا ہی زیادہ اپنی زندگیوں میں عام کریں گے، اور اجتماعی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی معاملات میں اس کو رہنما بنائیں گے، ہماری پیچیدگیاں دور ہوں گی، ہماری پریشانیوں اور بے اطمینانیوں کا خاتمہ ہوگا۔ اور ہمارے تمام الجھے ہوئے مسائل حل ہوں گے۔

عام طور سے ہم نے ہجرت کو تاریخ اسلام اور دیگر واقعات کی طرح محض ایک اتفاقی واقعہ سمجھ رکھا ہے، حالاں کہ ہجرت کا واقعہ دراصل اسلام کی کامیابی اور اس کی سربلندی کا راز ہے۔ یہ وہ کلید ہے جس سے حق و انصاف کا قفل کھولا گیا۔ اور انسانوں کے لئے ایک نئی زندگی کی راہ متعین ہوئی اور یہ اعلان ہوا کہ آج خدا کا دین غالب آگیا۔ اور راستے کی ساری تاریکیاں اور دشواریاں دور ہوگئیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ابوجہل و ابولہب کا پرچم کفر و ضلالت سرنگوں ہو گیا۔ توحید و ایمان کے سامنے کفر و شرک کی ساری طاقتیں فنا ہوگئیں، اور آج سے اسلام اور صرف اسلام انسانوں کا دین قرار پایا۔

آج اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی یہ بڑی سعادت ہوگی کہ وہ ہجرت کے واقعے کے ساتھ اس کی تمام خصوصیات کو مستحضر رکھیں، جو اس کے ساتھ وابستہ ہیں، اور زندگی کے ہر مرحلے میں اس کو مشعل راہ بنائیں، اور ہجرت کے اس بنیادی مفہوم کو ہر وقت مستحضر رکھیں، تاکہ پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے اور مشکل سے مشکل تر اوقات میں اپنے اوپر قابو رکھنے کی قوت ان میں موجود رہے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان کی زندگی ہمہ دم ناموافق حالات کی زد میں ہوتی ہے۔ اگر اس میں یہ خصوصیت نہ ہو اور اس کی نظروں میں وہ اوصاف نہ ہوں جو ہجرت کے اوصاف سمجھے جاتے ہیں، تو وہ بہت جلد حالات کی نامساعدت سے مرعوب ہو کر شکست کھا جاتا ہے، اور زندگی کو کامیاب بنانے کا جذبہ اس کے اندر سے مفقود ہو جاتا ہے۔

سال ہجری کا مبارک آغاز ہم سے اسی بات کا مطالبہ کرتا ہے، وہ ہم سے ہجرت کے اوصاف و خصوصیات کا طالب ہے، موجودہ حالات میں جو ہر ملک کے مسلمانوں کو درپیش ہیں، اس بات کی ضرورت انتہائی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ ہم بار بار سیرت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے رہیں، اور اس میں ہم اپنے لئے عبرت و عمل کے نمونے تلاش کرتے رہیں۔

اس مبارک سیرت کا سب سے روشن، تابناک اور اہم پہلو ہجرت کا واقعہ ہے، جو ہر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے بالکل کافی اور وہ واقعی نمونۂ عمل اور اسوۂ نبوی ہے۔

☆☆☆

زندہ قوم کی علامت

ایک زندہ اور صاحب پیغام قوم کی زندگی میں جن خصوصیات اور صفات کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں صبر، صدق اور حالات کا مقابلہ کرنے، خطرات کے سامنے سینہ سپر ہونے کی صفات ہمیشہ اہمیت رکھتی ہیں، اور ہر داعیٔ حق کی زندگی میں یہ نمایاں طور پر موجود ہوتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ تینوں صفات جس طرح نمایاں نظر آتی ہیں، کسی اور داعی کی زندگی میں اس طرح کھل کر سامنے نہیں آتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر ان تینوں صفات کا مظاہرہ فرمایا، اور امت کی فلاح وخوش بختی کے لئے آپ نے ایک ایک لمحہ صبر وسچائی اور حالات کا مقابلہ کرنے میں گذار دیا۔

سب سے پہلے آپ کو نبوت اور دعوت الی اللہ کا منصب عطا ہوا، تو اس راہ کی مشقتوں پر صبر کرنے کی ترغیب آپ کو دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ولربك فاصبر! (اپنے رب کے لئے صبر کیجئے)

چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ حق کی مصیبتوں پر جس طرح صبر فرمایا، اس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، اور درحقیقت یہی صبر آپ کی کامیابی اور ترقی کی وہ کنجی ہے جس سے آپ نے صدیوں سے بند انسانیت کے دروازے کو کھولا۔ اور انسانوں کے سامنے سعادت وخوش بختی کے راستے ہمیشہ کے لئے ہموار فرمادیئے۔

دوسرا مرحلہ جو کسی داعی یا صاحب پیغام قوم کی زندگی میں پیش آتا ہے، وہ ''صدق'' ہے۔ یہاں صدق سے محض بات کی سچائی مراد نہیں ہے۔ بلکہ داعی کے قلب کا اطمینان کہ وہ جس پیغام یا دعوت کو لوگوں میں پیش کر رہا ہے، وہ اللہ کا پیغام ہے۔ اور اس میں نفس کی غرض

کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے، اور وہ اپنی کوشش اور اپنی جدوجہد میں انتہائی مخلص ہے۔ یعنی وہ صرف رضائے الٰہی کے ماتحت یہ سب کچھ کر رہا ہے اور اس پر ثابت قدم ہے۔

چنانچہ یہی صدق و اخلاص صاحب دعوت کی وہ بڑی طاقت ہے، جو اس کو خوف و خطر کے احساس سے بالاتر کر دیتی ہے، اور ''حالات کا تقاضا''، ''مصلحت کی رعایت'' اس کی نظروں میں ایک بے قیمت شئے بن کر رہ جاتی ہے۔

جنگ حنین کے دن جب مسلمانوں کو ابتداءً شکست کا سامنا ہوا، اور اکثر سپاہی میدان جنگ سے بھاگ نکلے، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ ثابت قدم رہ کر جو نعرہ بلند کیا وہ بالکل وہی نعرہ تھا، جو آپ نے اپنی سب سے پہلی دعوتی تقریر میں کوہ صفا پر بلند فرمایا تھا کہ:

أنا النبی لا کذب ☆ أنا ابن عبد المطلب

اس اعلان کے سنتے ہی بھاگنے والے سپاہی واپس آ گئے اور انہوں نے ایسا حملہ کیا کہ دشمن کو شکست فاش ہوئی۔

ہجرت سے قبل عتبہ بن ربیعہ عبشمی قریش کے نمائندے بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے طرح طرح سے حضور کو دعوت الی اللہ کا کام ترک کرنے پر راضی کرنے کی کوشش کی، اور اس کے لئے انہوں نے ہر طرح کی تجویز رکھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر تجویز پر انکار فرمایا، اور اس کو قرآن پڑھ کر سنایا، عتبہ حضور کی ثابت قدمی اور پیغام حق پر اصرار کا اندازہ لگا کر ناکام واپس آ گیا۔

دنیا کا کوئی پیغام جب بھی صبر و صدق کی بنیاد پر قائم ہو تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر، حالات کا مقابلہ کرنے کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ حالات کا مقابلہ کرنا اور مصالح کی رعایت سے چشم پوشی کرنا، اسی وقت ممکن ہے، جب صبر و اخلاص کا عنصر اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ اس پیغام میں موجود ہو، اور وہ کسی لمحے کے لئے بھی اس سے جدا نہ ہو سکتا ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پیغمبری کے پہلے ہی دن سے مسلسل حالات کا مقابلہ کرنے اور خطرات کے سامنے سینہ سپر ہونے کا ایک سلسلہ ہے۔ چنانچہ موت حضور کی نظر

میں کسی درجے میں بھی قابل اعتنا چیز نہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی راہ میں خطرات کے سامنے سینہ سپر ہونے اور حالات کا مقابلہ کرنے کا جو مطلب بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ دین اور عقیدے کی راہ میں موت کو ایک مقدس آرزو اور زندگی کو ایک حقیر متاع تصور کیا جائے، اور منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے موت کا خوف اور جینے کی آرزو سد راہ نہ بنے۔ چنانچہ اس حقیقت کی طرف آپ نے ایک حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ:

''عنقریب تمہارے اوپر دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی، جس طرح کھانے والے اپنے کھانے کے پیالے پر ٹوٹتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کیا ہم لوگ اس وقت بہت قلیل تعداد میں ہوں گے؟ فرمایا: نہیں!! بلکہ تم لوگ بہت زیادہ تعداد میں ہوگے۔ لیکن تم سیلاب کے کوڑے اور جھاگ کی طرح بالکل کمزور اور بے وزن و بے جان ہوگے۔ تمہارا حال یہ ہوگا کہ تم موت کو ناپسند کروگے، اور زندگی کے طالب ہوگے۔''

یہ حدیث کس طرح آج مسلمانوں کے حالات پر منطبق ہورہی ہے!! کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان پر دوسری قومیں ہر طرف سے مسلط ہیں۔ اور ہر راہ سے ان پر حملے کررہی ہیں، حالاں کہ ان کی تعداد دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ لیکن وہ اپنی کمزوری اور بے وقعتی میں انتہا کو پہونچے ہوئے ہیں۔

کسی زندہ اور صاحب دعوت قوم کی یہ علامت نہیں ہے کہ وہ اپنی خصوصیات اور ان صفات سے قطع نظر کرکے زندگی بسر کرے، جو اس کا طرۂ امتیاز اور دوسروں کے مقابلے میں، اس کی عظمت و تقدس کی نشانی ہے۔ بلکہ زندہ قوم ہمیشہ اپنے پیغام کو زندہ رکھتی ہے، اور دوسروں کے لئے زندگی کا نشان بنتی ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج امت محمدیہ اپنے پیغام، اور اپنے مقام سے بے خبر، دوسری حقیر اور بے ضمیر قوموں کے سہارے جی رہی ہے، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کررہی ہے۔

جس قوم کا شعار تھا کہ مصیبتوں سے نہ گھبراؤ، راہ کی دشواریوں کی پروانہ کرو، اور کانٹوں پر چل کر بھی مسکراؤ، جس کا پیغام تھا کہ انسان کو انسانیت کا درس دو، حق وصداقت کی راہ میں ثابت قدم رہو اور حالات خواہ کیسے ہی پیش آئیں، ان کا صدق دل سے مقابلہ کرو، اور اس راہ میں ہر قسم کے خطرے کو حقیر سمجھو، اور موت کا بڑھ کر استقبال کرو۔ وہی قوم زندگی کے اس سبق کو فراموش کر کے، اور اپنی قیمتی قدروں کو پامال کر کے غیروں کے رحم وکرم پر زندگی بسر کر رہی ہے۔

یہ حال کسی ایک ملک یا کسی خاص خطے کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان جہاں بھی ہیں وہ اپنے مقام اور اپنے پیغام سے غافل ہو کر، انتہائی کمزور، بے دست و پا اور غیروں کے سہارے جی رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس قیمتی متاع کو پس پشت ڈال رکھا ہے، جو ان کو ہر خطرے سے محفوظ اور پورے عالم میں سرخ رو اور سربلند رکھنے کی ضامن ہے۔

مسلمان اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کریں، صبر وصداقت کا سبق پھر دہرائیں، اور حالات سے مصالحت کرنے کے بجائے اس سے نبرد آزما ہو کر دنیا پر ثابت کر دیں کہ درحقیقت حالات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ بلکہ حالات انسان کے عزم اور اس کے حوصلے کے تابع ہیں۔ پست ہمت قوم کے سامنے قدم قدم پر رکاوٹ ہے۔ لیکن بلند ہمت قوم حالات کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اس کی لغت میں حالات ومصالح اور خطرات کا کوئی وجود نہیں ہے۔

☆☆☆

دنیا کی زندگی کی
اصل حقیقت اور اس کی بلیغ تمثیل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا:

كن فى الدنيا كأنك غريب أوعابر سبيل (رواه البخارى)

دنیا میں بالکل ایک مسافر، یا راہ گیر کی طرح رہو۔

ابن ماجہ کی روایت میں اس کے ساتھ اتنا اضافہ اور ہے:

"**وعد نفسك من اهل القبور**" (اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو۔)

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کے لئے دنیا میں زندگی گزارنا مقدر فرمایا، اور حضرت آدم علی نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کے لئے ایک وسیلہ قرار دیا، تو یہ بات دنیا میں انسانی زندگی کے ایک عبوری دور ہونے کی دلیل تھی، اور دنیا کو زندگی کی آزمائش گاہ بنانے کا فیصلہ تھا۔ گویا انسان کو دوبارہ یہ باور کرانا تھا کہ دنیا دراصل تمہاری قیام گاہ اور مستقر نہیں ہے، بلکہ وہ مستقل زندگی اور دائمی قیام کی وہ راہ ہے جس کو طے کئے بغیر کوئی شخص منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسان کو یہ سبق دینا تھا کہ تم اپنی اصل منزل سے دور ایک مسافرت کی منزل میں ہو اور اپنے اصل مستقر اور زمین و آسمان سے نکل کر ایک ایسی دنیا سے گزر رہے ہو جس کی حیثیت مسافر کے سفر سے زیادہ نہیں ہے۔

جس طرح مسافر سفر کی منزل جلد سے جلد طے کر کے منزل مقصود تک پہونچنے کی کوشش

کرتا ہے اور سفر کی صعوبتوں کے پیش نظر وہ اپنی اقامت گاہ کی راحت کا امیدوار رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مومن اپنی اصل قیام گاہ، آخرت، تک پہونچنے کے لئے بے تاب رہتا ہے اور دنیا کی زندگی کو سفر کی پر مشقت ساعت تصور کرتا ہے، البتہ وہ اپنے اس سفر کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، تاکہ واپسی میں اس کو زیادہ سے زیادہ مسرت حاصل ہو۔ اور کامیابی کے تصور کے ساتھ ہی اس کو اپنے سفر کی ہر مشقت بے حقیقت معلوم ہونے لگتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ دنیا کو مسافر کی زندگی سے زیادہ حیثیت نہ دیں، اور یہاں وہ ایک خالص مسافر بن کر رہیں، تاکہ مسافرانہ زندگی کے تمام لوازمات ان کے اندر موجود ہوں۔ سفر کی صعوبت کا احساس، امید وبیم کی کیفیت، زاد راہ ختم ہوجانے کی فکر، وطن کی محبت، اہل وعیال سے ملنے کا شوق، دوست و احباب کو دیکھنے کی خواہش پھر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ سفر کے مقصد کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش اور سلامتی کے ساتھ لوٹنے کی تمنا، یہ وہ احساسات وکیفیات ہیں، جو ہر مسافر کے اندر موجود ہوتی ہیں۔

انسان اس دنیا میں آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کا ایک عظیم مقصد لے کر آیا ہے۔ اس کی اصل منزل یہ زندگی نہیں ہے، لیکن زندگی کا یہ سفر اس کی کامیابی یا ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔ اگر اس کا یہ سفر کامیاب رہا تو یقیناً اس کو اپنے اصل مرکز کی طرف لوٹنے میں مسرت ہوگی اور اس کا وہ بے حد مشتاق ہوگا۔ لیکن ناکامی کی صورت میں وہ اس کے برعکس غمگین اور ملول ہوگا۔ اور اس کو وطن کی طرف لوٹنے میں کوئی خوشی نہ ہوگی۔

ایک مسلمان جب دنیا کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھے اور زندگی کو محض مسافرت کے چند لمحات تصور کرے اور یقین رکھے کہ وہ اس سفر میں ایک دوسری زندگی کو کامیاب بنانے کا مقصد لے کر آیا ہے اور وہی زندگی اصل اور دائمی ہے، تو بلاشبہ اس کو اپنے سفر کے کامیاب بنانے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کی فکر ہوگی۔ وہ اس راہ میں ان تمام وسائل وذرائع کا استعمال کرے گا جو اس کے بس میں ہوں گے۔

حدیث کا دوسرا ٹکڑا ہے، کہ اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو، جس طرح ایک بے جان ڈھانچہ ہر طرح کے فخر و تکبر اور آلائشوں سے پاک ہوتا ہے، بالکل اسی طرح وہ بھی اپنے نفس کو ہر طرح کے گناہوں سے پاک رکھے، یا یہ کہ اس کا مرنا اتنا یقینی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرتا رہے، اور ہر آنے والے لمحے کو موت کا لمحہ تصور کرے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان کو اپنی موت کا اس قدر یقین ہوگا، تو ہرگز دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی لذتوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اور جائز حدود میں رہ کر بہ قدر ضرورت ہر نعمت سے متمتع ہوگا۔ اور اس تمتع میں بھی کسی وقت وہ موت کے احساس سے غافل نہیں ہوگا۔ بلکہ موت کے استحضار کے ساتھ ساتھ اللہ کے حضور میں اپنے اعمال کے جواب دہ ہونے کی شدید فکر میں مبتلا رہے گا۔

فرمان نبوی: "کن فی الدنیا کأنك غریب او عابر سبیل" محض ایک حکمت کا جملہ یا ادبی شہ پارہ نہیں ہے، بلکہ وہ سب سے پہلے دنیا میں انسانی زندگی کا ایک اہم اصول ہے، اور یہ وہ دنیا ہے جس پر زندگی کی تمام لذت و آسائش اور دنیا کی دل فریبیوں سے لطف اندوز ہونے کا حساب سمجھ میں آتا ہے۔ سرائے میں قیام کرنے والے مسافر کو محض اس سے دل چسپی ہو سکتی ہے کہ کسی طرح سفر کے چند دن اس میں عافیت کے ساتھ گزر جائیں، اس کو اس سے قطعاً کوئی دل چسپی یا تعلق نہ ہوگا کہ وہ اس سرائے کے ساز و سامان میں اضافہ کرے اور اس کی ہر چیز پر للچائی ہوئی نگاہ ڈالے، بلکہ اس کا ایک ایک لمحہ بے چینی اور کرب کے عالم میں گزرے گا۔ اور اس مبارک ساعت کا اس کو بے چینی سے انتظار رہے گا۔ جب کہ وہ اپنا رخت سفر وہاں سے اٹھا کر وطن کی راہ لے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ: دنیاوی لذتوں میں سے اتنا ہی کافی ہے، جتنا ایک مسافر کو سفر کے وقت زاد سفر کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چٹائی پر لیٹا ہوا پایا، اور اس چٹائی کے نشانات پہلوئے مبارک پر ظاہر ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے فرمایا کہ: حضور اگر آپ ذرا اس سے نرم بستر بنا لیتے تو زیادہ بہتر تھا، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مالی وللدنیا؟ ما أنا إلا کراکب سار فی یوم صائف فاستظل تحت شجرة ساعة من نهار، ثم راح وترکها۔

''مجھے دنیا سے کیا لینا ہے؟ میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کی سی ہے، جو گرمیوں کے زمانے میں سفر پر نکلا ہو، اور دن کے کسی حصے میں تھوڑی دیر کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر سایہ لے لے پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے''۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات زندگی اگر ہمارے پیش نظر ہوں تو اس سے دنیا کی حقارت و بے قیمتی پوری طرح ہمارے سامنے آجائے، اور دنیا کی ہر راحت تلخ اور ہر لذت بے لطف ہو کر رہ جائے۔ اور زندگی کی اصل منزل کا اشتیاق بے پایاں، ہر فانی چیز سے بے نیاز بنا دے، اور دنیا محض ایک بازیچۂ اطفال نظر آنے لگے۔

قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وما هذه الحياة الدنيا إلا لهو ولعب وإن الدار الآخرة لهی الحيوان (العنکبوت:۶۴)

''دنیاوی زندگی تو محض لہو لعب ہے۔ اور آخرت ہی دراصل زندگی ہے''۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ رشعبان کو رمضان کی آمد پر جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں یہ بھی آپ نے کہا تھا کہ یہ وہ مہینہ ہے جس کا حصۂ اول رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم کی آگ سے آزادی کے ساتھ خاص ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ رمضان المبارک اپنے تینوں عشروں میں کچھ مخصوص کیفیتیں رکھتا ہے۔ آخری عشرے کو چوں کہ آپ نے جہنم کی آگ سے آزادی کا وقفہ قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ عشرہ علمائے امت کے نزدیک بہت خاص اہمیت رکھتا ہے، اور اس میں اظہار عبودیت اور تقرب الی اللہ کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔

یوں تو رمضان کا پورا مہینہ اور اس کے سارے لمحات سال کے تمام مہینوں کے مقابلے میں اہم اور قابل اعتنا ہیں، لیکن اس ماہ مبارک کے اخیر عشرے کو خصوصیت سے جو بلندی اور اہمیت حاصل ہے، وہ بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ اسی عشرے کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں شب قدر ہوتی ہے۔ جس کے متعلق قرآن نے اپنی پوری ایک سورت میں یہ بتایا ہے کہ یہ رات انتہائی قیمتی... اور بے حد بابرکت ہے۔ اس رات کو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل اور باعث خیر فرمایا گیا ہے۔ سورۂ قدر میں ہے کہ قرآن کریم جیسی اہم اور لازوال کتاب بھی ہم نے لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے۔

اعتکاف بھی اسی عشرۂ اخیر کی خصوصیت ہے۔ جس میں بندہ سراسر اپنے رب کے حضور پیش ہو کر پورے دس دن تک سرگوشیاں کرتا ہے، اور ہر وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جس سے

بندگی کا اظہار ہو اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اس کی ربوبیت اور اس کی بلندی وعظمت کے سامنے وہ اپنے آپ کو بالکل بے قیمت اور بے حقیقت کر کے پیش کر سکے۔ یہاں تک کہ رمضان کا آخری دن اس کے لئے رحمت ومغفرت اور سب سے بڑھ کر جہنم کی آگ سے آزادی کی بشارت کا دن ہوتا ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میری امت رمضان کی آخری شب میں بخش دی جاتی ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب پوری امت کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے بخش دیں گے، تو اس بندے کا کیا حال ہوگا جس نے رمضان المبارک کی ذمے داریوں کو پوری تندہی، محنت، جاں فشانی اور حضور قلب کے ساتھ ادا کیا۔ اور اس کے اخیر عشرے کو عبادت وتلاوت اور اعتکاف جیسی سعادت میں گزارا، لیلۃ القدر کو پانے کے لئے اس عشرے کی ہر رات کو اس نے بیداری اور اس کی تلاش میں گزار کر شب قدر جیسی عظیم نعمت سے سرفرازی کی سعادت اور مسرت حاصل کی، اور اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام سے مالا مال ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فى العشر الأواخر مالا يجتهد فى غيرها"۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں اتنی محنت فرماتے تھے کہ دوسرے ایام میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے۔''

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ اس عشرے کو اتنی اہمیت دیتے تھے، جب کہ آپ کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔ تو کیا وجہ ہے کہ آپ کی امت کے دلوں میں اس کی اہمیت کم ہو، اور اس مبارک مہینے کے اس آخری حصے کو ہر حیثیت سے مہتم بالشان نہ سمجھیں، اس آخری عشرے میں نہ صرف یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اس کا اہتمام فرماتے تھے بلکہ اپنے ساتھ آپ اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو بھی اس خیر میں شریک فرماتے تھے۔ اوان کو شب بیداری اور نوافل وعبادات کے اہتمام کے سلسلے میں راتوں کو جگا

دیتے تھے۔اس عشرے کے شروع ہوتے ہی آپ تیار ہو جاتے،اور مزید محنت وجاں فشانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پوری پوری رات بیداری میں گزارتے،مناجات واستغفار اور دعا و نوافل کی کثرت فرماتے۔اور صحابۂ کرام کو اس کی ترغیب دلاتے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب عشرۂ اخیرہ شروع ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات بیداری میں گزارتے۔اور اپنے اہل وعیال کو بھی عبادت کے لئے جگاتے۔اور کمر کس لیتے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے آپ کو پیش کرنے کے لئے پوری طرح تیاری فرمالیتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"دخل رمضان فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ان هذاالشهر قد حضركم وفيه ليلة خير من ألف شهر، من حرمها فقد حرم الخير كله ولا يحرم خيرها إلا كل محروم".

''رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ مہینہ جو تم کو میسر آیا ہے،اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔اس رات کو پانے سے جو محروم رہا،وہ ہر طرح کی خیر و برکت سے محروم رہ گیا،اور بجز محروم القسمت کے اس رات کی برکتوں اور نعمتوں سے کوئی اور محروم نہیں رہ سکتا۔''

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے:

"من قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا، غفرله ما تقدم من ذنبه" (بخاری ومسلم)

''جس نے لیلۃ القدر میں عبادت کی،ایمان اور احتساب کے ساتھ کام کیا تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں''۔

لیلۃ القدر کا اخیر عشرے میں ہونا احادیث سے ثابت ہے،اور یہ بھی ثابت ہے کہ اس عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہوتی ہے۔

جس رات کی یہ فضیلت ہو اور جس کا یہ مقام و مرتبہ ہو، اس کے لئے جو کچھ بھی قربان کر دیا جائے، اور جتنی محنت و مشقت بھی اس کے حاصل کرنے میں کی جائے کم ہے۔ عموماً لوگ رمضان کے شروع دنوں میں نماز و تلاوت، تراویح و نوافل کا اہتمام کرتے ہیں، مگر جوں جوں اس کے دن گزرتے جاتے ہیں، ان چیزوں کا اہتمام اور رمضان کی عظمت و احترام شعوری یا غیر شعوری طور پر کم ہوتا جاتا ہے۔ اکثر مساجد رمضان کے ابتدائی ایام میں اس قدر آباد ہو جاتی ہیں کہ جگہ کی تنگی کا احساس ہونے لگتا ہے، لیکن آخر میں یہ مسجدیں بھی غیر آباد ہو کر رہ جاتی ہیں۔

کاش!! رمضان کے قیمتی لمحات اور اس کی بیش بہا گھڑیوں کو ہم ضائع نہ ہونے دیتے، اور خصوصیت سے عشرۂ اخیرہ کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی برکتوں سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کرتے، اور اس معاملے میں بھی ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بناتے۔

☆☆☆

عملی نمونہ اور مثالی زندگی

عملی نمونہ اور مثالی زندگی کی طرح کسی طریقۂ کار کو مفید، مؤثر اور کارگر نہیں دیکھا گیا، عملی نمونے میں دعوت اگرچہ صریح اور واضح طور پر نہیں پائی جاتی ہے، اور نہ عملی نمونہ کسی سے کسی مخصوص عقیدے یا فکر کو قبول کرنے کا مطالبہ ہی کرتا ہے، پھر بھی اپنی کشش و جاذبیت کی بنا پر وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز اور نگاہوں کا مسکن بنا رہتا ہے، مثال کے طور پر اگر کہیں کوئی ایسی جماعت پائی جاتی ہے جو صلاح و خیر اور رفاہ عام جیسے پروگرام کی حامل ہو، اس کے پاس کوئی ایسا عملی نظام بھی ہو جسے اگر زندگی پر منطبق کیا جائے تو زندگی آسودہ، خوش حال اور خوش گوار بن جائے، نیز یہ جماعت اپنے نظام اور اپنے پروگرام کی دعوت و تبلیغ کے لئے کوئی مخصوص طریقۂ کار بھی رکھتی ہو، نشر و اشاعت اور پبلسٹی کے ذرائع بھی مہیا ہوں، کتابوں، کتابچوں، رسالوں، ڈائجسٹوں، اور پمفلٹ وغیرہ کا مجموعہ بھی فراہم ہو، اور اپنے پروگرام کی تشہیر اور اپنے مخصوص نظام کی تبلیغ کے لئے تربیت یافتہ افراد تیار کرتی ہو اور بڑی بڑی رقمیں اس کام کے لئے فراہم کرتی ہو، دعوت کے راستے میں وہ اپنا سب کچھ لٹا دیتی ہو، مگر جن باتوں کی طرف لوگوں کو دعوت دیتی ہو اس کا عملی نمونہ وہ نہ پیش کرتی ہو، صرف دعوت و تبلیغ ہی پر بس کرتی ہو اور اس کا کوئی عملی پرتو اور مثالی جھلک نظر نہ آتی ہو، تو وہ جماعت کبھی بھی کامیابی و کامرانی کی منزلیں طے نہیں کر سکتی، فوز و فلاح کبھی اس کے قدم چوم نہیں سکتے، حتی کہ وہ اپنے عقیدہ و فکر کی تائید و تصدیق میں چند افراد بھی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی، اور اگر بالفرض اسے اپنے ہم خیال کارکنوں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں کامیابی نصیب بھی ہو گئی تو جو لوگ اس جماعت میں شامل ہوتے ہیں، وہ یہ شمولیت کسی عقیدہ و ایمان کے

جذبے سے نہیں اختیار کرتے ہیں، کیا ہم آج نہیں دیکھ رہے ہیں کہ انہیں کی ایک تعداد، جماعت اور اہل جماعت سے قطع تعلق کر رہی ہے اور شروع شروع میں انہوں نے جو تائید یا موافقت کر دی تھی آج اس پر وہ کف افسوس مل رہے ہیں۔

اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت کھل کر لوگوں کے سامنے پیش کی اور عقیدہ وفکر کی تبلیغ کی ذمے داری اپنے اوپر لی، تو آپ نے رہنمائی وقیادت اور تبلیغ و دعوت ہی پر اکتفانہ کیا۔ آپ نے اس کے برعکس سب سے پہلے بحکم خداوندی اپنے آپ کو دعوت کے بارگراں کو اٹھانے کے لئے تیار کیا اور لوگوں کے سامنے ایک عظیم الشان عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ کسی بات کی دعوت دینے سے قبل خود اس پر عمل کرتے اور عملی کردار پیش کر کے لوگوں کو دعوت عمل کا درس دیتے۔ آپ کی شخصیت آپ کی دعوت کی زندہ مثال تھی۔ اور آپ کی ذات آپ کے فکر وعقیدہ کی منہ بولتی تصویر۔

اسی عملی کردار سے صحابۂ کرام متاثر ہوئے انہوں نے آپ کی مکمل اتباع کی، کیوں کہ وہ دعوت کے آغاز سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس میں عمل وتطبیق کے بہترین نمونے کا مشاہدہ کر چکے تھے، ارشاد خداوندی ہے:

"لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجوا لله واليوم الآخر وذكرالله كثيرا"۔

''تم لوگوں کے لئے، یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ایک عمدہ نمونہ موجود ہے''

اسی وقت سے یہ مبارک نبوی اسوہ دعوت اسلامی کی کامیابی کی خاص بنیاد بن گیا، جن لوگوں نے آپ کے بعد دعوت کا کام انجام دیا، اور اپنے آپ کو اسلامی فکر کی اشاعت وتبلیغ کے لئے یکسو کر لیا، وہ ایمان اور عمل دونوں میں پختہ اور قوی تھے، وہ اس عالم باعمل اور داعی صالح کی سچی مثال تھے، جو اپنے آپ کو قبل اس کے کہ وہ دعوت کے میدان میں اترے پوری طرح تیار اور مستعد کر لیتا ہے اور اس کی پوری زندگی اس کے عقیدہ وفکر سے پوری طرح ہم

آہنگ ہوتی ہے۔ یہی وہ تنہا سبب ہے جس کی بدولت صحابۂ کرام مسلسل فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوتے رہے۔ اور دعوت اسلامی کے قبول کرنے والوں کا سلسلہ برابر جاری رہا جو ایمان کی پکار لگانے والے اور توحید کی دعوت دینے والے گفتار وکردار کے پیکر تھے اور دعوت کے عملی نمونے کا ایک حسین گلدستہ۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ توحید کی صدا ہر جگہ پہونچ گئی اور ہر طرف سے دعوت اسلامی کی حمایت ونصرت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

ماضی میں دینی قیادت ورہنمائی کا دارومدار عملی ترجمانی پر ہوتا ہے۔ دینی رہنما اور قائد وداعی، عقلی وعملی اعتبار سے بیک وقت اوج کمال پر پہونچے ہوتے تھے۔

عوام الناس ان کے اقوال وزبانی ارشادات سے کہیں زیادہ ان کی سیرت اور ان کی عملی زندگی اور کردار سے نفع حاصل کرتے تھے، چنانچہ اپنی ایمانی قوت اور اپنے عمل پر جس کو اعتماد اور بھروسہ نہ ہو، اور وہ ''صحیح اسلامی زندگی'' کی حقیقی ترجمانی کرنے کے لئے اپنی ذات کے بارے میں مطمئن نہ ہو، وہ دعوت وتبلیغ کے بارگراں کو اٹھانے اور دینی قیادت ورہنمائی کے بوجھ کو برداشت کرنے پر کیسے راضی اور مطمئن ہوسکتا ہے!!، یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ اسلامی تربیت ودینی قیادت کی راہ میں صرف کردہ جدوجہد اور محنت اسی راستے سے دلوں کو اپیل کرتی ہے اور قلوب واذہان پر اپنے گہرے نقوش قائم کردیتی ہے، سلف صالحین، علمائے ربانیین، ائمہ مجتہدین اور داعیان کرام کی سیرتیں اسی حقیقت کی ترجمان ہیں، اور اسلامی تاریخ کے صفحات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت۔

اسلامی سیرت وکردار اور اعلیٰ نمونہ (جس سے اس وقت کے داعیان کرام اور علمائے عظام آراستہ تھے) ہی کا اثر تھا کہ سارے کے سارے قبائل حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلامی آئین وقوانین کو انہوں نے بسر وچشم قبول کیا، حالانکہ ان حضرات کو اپنے زمانے میں نشر واشاعت کے موجودہ اسباب مہیا نہ تھے اور پبلسٹی کے وسائل اور ذرائع ابلاغ کی سہولتیں ان کو میسر ہی نہ تھیں، بجز اس کے کہ وہ اپنی مثالی سیرت، بلند اخلاق، پاکیزہ زندگی اور حسن کردار کی کشش سے اور اپنے حسن عمل کی طاقت سے لوگوں کو متاثر اور اپنا گرویدہ بنالیتے تھے، شاید بلکہ

یقیناً ان کی داخلی زندگی ان کی خارجی زندگی سے بدرجہا بہتر تھی، ظاہری تقویٰ سے زیادہ باطنی تقویٰ اور نمائشی پرہیزگاری سے بڑھ کر حقیقی پرہیزگاری کے وہ حامل تھے، ان کی دعوت کی کامیابی اور ان کے حلقے کے وسیع سے وسیع تر ہونے، نیز ان کے عقیدہ وفکر کو قبول کرنے والوں، اور ان کے حامیوں اور دوستوں کے مسلسل اضافے کا راز درحقیقت اس ''عملی نمونے'' کے اندر پنہاں ہے، اسی طرح دنیا کے چپے چپے میں ان کی آواز بازگشت کے پہونچنے اور دور دور سے مختلف اقوام وقبائل کی ایک بڑی تعداد کے ان کی طرف کھنچ آنے کا راز بھی دراصل اسی ''عملی ترجمانی'' کے اندر پوشیدہ ہے۔ لیکن افسوس کہ داعیان کرام اور دینی قائدین کے یہاں عملی پہلو پر توجہ اور روحانی تربیت اور اصلاح وتزکیہ کا اہتمام دن بدن کم ہوتا جارہا ہے، اور ذرائع ابلاغ ونشر واشاعت کے فروغ پر زیادہ سے زیادہ توجہ نے اس کی جگہ لے لی ہے، حتی کہ مثالی سیرت وکردار کا پہلو اصحاب دعوت کے یہاں نہ صرف یہ کہ کمزور پڑ گیا ہے بلکہ انہیں میدان کار میں اس کی عظیم الشان اہمیت کا احساس بھی نہیں رہا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ دعوت اور خدمت کا کام انجام دینے والے بہت سے حضرات اب اعلیٰ عملی نمونے کے حامل نہیں رہے ہیں بلکہ بعض ان میں ایسے بھی ہیں جن کا باطن ان کے ظاہر سے زیادہ ملوث اور ان کی ''مخصوص زندگی'' ان کی عام زندگی سے زیادہ غلط اور گمراہ کن ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا اتباع اور تقلید کرنے والے جس لمحے اپنے قائدین کی عملی کمزوریوں اور خرابیوں سے آگاہ ہوتے ہیں، اسی لمحے ان سے کنارہ کشی اور علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں، اور ان جیسے ''دینی رہنماؤں'' پر کبھی بھروسہ اور اعتبار نہیں کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کا مقابلہ کرنے اور ان پر حملہ کرنے پر اتر آتے ہیں۔

اس کے برعکس جب ہم غیر مسلموں مثلاً عیسائیوں کو دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کی تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والے لوگ اور عیسائی مبلغین جن ''بلند اقدار'' کی لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، ان کے وہ خود بھی حامل اور ان پر عامل ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی ان کے من گھڑت فضائل کی حقیقی ترجمانی کرتی ہے، لہٰذا وہ اپنے متبعین کے اندر ایسا تاثر قائم کر لیتے ہیں، جس

سے وہ ان پر فریفتگی و شیفتگی کے ساتھ ساتھ مسیحیت کی تبلیغ کی راہ میں پورے خلوص سے جان کی بازی تک لگانے پر تیار ہو جاتے ہیں، اس طرح ان کا دائرۂ عمل اور حلقہ تیزی سے وسیع ہوتا جارہا ہے، اور ان کے پیروکاروں اور حلقہ بگوشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

یہی چیز ہمیں پارٹیوں اور جماعتوں میں (جن کا دین و مذہب سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا ہے۔) نظر آتی ہے، جب کہ ان کے لیڈر اور قائدین اخلاقی پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں اور میدان عمل میں ''مثالی عملی نمونہ'' پیش کرتے ہیں تو وہ اپنی فکر و نقطۂ نظر کے لئے پر جوش حامیوں اور ہم نوا کارکنوں کو حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ ہم نوا وحمایتی اپنے قائدین کے قافلے کے ساتھ چلنے اور ان کی محبت و خوش نودی میں قربانیاں پیش کرنے، نیز بہ وقت ضرورت اپنی جان و مال تک کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور یہ سب صرف اس لئے کرتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے ''مقتدا'' اور ''لیڈر'' کے اندر عملی نمونے کا مشاہدہ کر چکے تھے اور ان کو انہوں نے ایسا ''اصول پسند'' و ''اصول پرست'' پایا تھا، جس کا ظاہر و باطن یکساں اور قول و عمل، تضاد سے پاک ہوتا ہے۔

دنیا میں اسلام اسی مثالی سیرت اور اسی عملی نمونے سے پھیلا، اور اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی اسی سے حاصل ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسلمانوں کے لئے ایسی سیرت چھوڑ کر رخصت ہوئے ہیں، جس میں پوری طرح اسلامی زندگی جلوہ گر ہے اور بلند اخلاق اور احترام انسانیت کی آئینہ دار ہے۔ ان کی زندگیاں ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جس کو ہر شخص پڑھ سکتا ہے اور اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ خواہ رزم و بزم ہو یا صلح و جنگ، دوست کے ساتھ ہوں یا دشمن کے ساتھ، قریبی رشتے دار ہوں یا دور کے، گھر کے افراد ہوں یا دوسرے لوگ ہر شخص کے درد کا درماں اور زخم کا مرہم سیرت میں موجود ہے۔ اسی مبارک و معطر سیرت کا فیض تھا کہ اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہونچا اور اس نے تاریک دلوں کو ایمان و یقین کے نور سے منور کر دیا، عقل کو جلا بخشی اور اسلام نے دنیا کو تاریک جہالت سے نکال کر علم و ہدایت کے بقعۂ نور میں پہونچا

دیا، انسان کو شقاوت کے عذاب سے نجات ملی، اور میدان سعادت میں آنا نصیب ہوا۔

مشرق و مغرب کے لوگ اس سیرت کو پڑھ کر رشد و ہدایت حاصل کر رہے ہیں، اور حق وصداقت کی جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں، سیرت نبوی کا چشمۂ حیوان نہ کبھی خشک ہونے والا ہے اور نہ قیامت تک اس کے فیض کا دریا پایاب ہونے والا ہے۔

جو لوگ اسلام کی دعوت و تبلیغ کرتے ہیں، اور اسوۂ محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر عمل پیرا ہوتے ہیں، حقیقتاً وہی نبوی قالب میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے اور ہر لمحے و ہر معاملے میں اپنے کو سیرت کے رنگ میں رنگنے والے ہیں، بے شک یہ لوگ دعوت کے ذریعے (اللہ تعالیٰ کا) خوف رکھنے والے اور ڈرنے والے دل اور (حق و صداقت) کو سننے والے کان حاصل کر لیتے ہیں، چنانچہ وہ ایسی ''مثالی نسل'' تیار کر سکتے ہیں جو اپنے اسلام میں سچی، مخلص اور وفادار ہوتی ہے، جو دنیا کے لئے ''اسوہ'' اور لوگوں کے لئے ''نمونے'' کا باعث ہوتی ہے، جیسا کہ قرن اول اور بعد کی صدیوں میں ہوا۔ جو اصحاب دعوت اور اہل علم و عمل کے حسین امتزاج کے مالک ہیں، اور گفتار و کردار کی جامعیت کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں انشاء اللہ تعالیٰ برابر یہ نسل نکلتی رہے گی اور حکمت ونشاط کے تمام میدان میں اسوہ ونمونہ پیش کرتی رہے گی۔

لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ علماء اور اصحاب دعوت کی زندگی اس مطلوبہ اسوے سے خالی ہے، ان کے یہاں عملی گوشوں میں کمزوری وضعف پیدا ہونے لگا ہے، نیز عمل و تطبیق کا وہ دل کش نمونہ جو ہمارے اسلاف کی امتیازی شان تھا، اس کی جلوہ گری اب ان کے یہاں نہیں ملتی، جس سیرت و کردار کا وہ مظاہرہ کرتے ہیں وہ پسندیدہ اور مطلوبہ سیرت نہیں ہے حتی کہ ان میں سے بعض تو دینی شعائر اور اسلام کے بنیادی اور ضروری احکام اور واجبات تک کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، اور اس کے برخلاف ان کی تمام تر توجہ کا مرکز ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو یا تو خارج از دین ہیں یا خلاف دین۔

رہا یہ کہ وہ اسوۂ محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اور اسوۂ صحابہ کو اختیار کریں تا کہ لوگ

ان کی تقلید واتباع کریں، تو اس باب میں کوئی ''خاص اہتمام'' نظر نہیں آتا، بلاشبہ یہ چیز تو ایسی ہے کہ عام مسلمانوں میں بھی نہ پائی جانی چاہئے، چہ جائیکہ علمائے دین اور مربین کے اندر یہ بات پائی جائے۔

آج دعوت کا المیہ مثالی سیرت اور عملی نمونے کے فقدان کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا مثالی سیرت کا جذبہ اگر ہمارے علماء اور داعیوں کے اندر پیدا ہو جائے اور ان کی زندگیوں میں ہمہ وقت اس کی جلوہ گری ہو، تو دعوت کے میدان میں چار چاند لگ جائیں اور تبلیغ کے کام میں بہار آجائے، اس لئے کہ سب سے بڑا روگ یہی ہے کہ دعوت اور سیرت میں تعارض ہو، اور قول وعمل میں تضاد پایا جائے، پہلے یہ عوام الناس کو متنفر کرتا ہے پھر خواص کو یہ کمزوری کئی جگہوں میں آباء واجداد کی اندھی تقلید کرواتی ہے، اور اس طرح لوگ بری خصلتیں اور غیر اسلامی اخلاق سیکھ لیتے ہیں، جن کا نہ اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ وہ ایک مسلمان کے شایان شان ہوتے ہیں، کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ ''جب داعی، مثالی سیرت اور بلند اخلاق کا صحیح پیکر ہوتا ہے اور سیرت واخلاق میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے تو اس کے متبعین ان اخلاق وفضائل میں اس سے نیچے مقام تک پہونچ جاتے ہیں، اس طرح جب مربی و مصلح، پاکیزگی، تقویٰ، خلوص، پاک دامنی اور صلاح کے بلند مرتبے پر فائز ہوتا ہے تو اس کے رفقا واحباب ان صفات وکمالات کے اندر اپنے مربی ومصلح کے نچلے مرتبے پر ہوتے ہیں۔

لہٰذا دعوت کی کامیابی اور صالح افراد پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دینی رہنما اور علماء، بلند مثالی زندگی کے منصب جلیل پر متمکن ہوں اور اعلیٰ نمونہ اپنے علم وعمل سے پیش کریں۔ اور اپنے کردار وگفتار سے ایک اعلیٰ مثال قائم کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مثالی نمونہ ہمارے سامنے ہے، ہمیں آپ کی اور آپ کے اصحاب کی سیرت کا گہرا اور عمیق مطالعہ کرنا چاہئے اور بحیثیت افراد اور جماعت کے، اس کو اپنے اوپر منطبق کرنا چاہئے۔ ارشاد خداوندی ہے:-

"محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار، رحماء

بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا، سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود"

''محمد صلی اللہ علیہ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں، اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں۔ ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں''۔

☆☆☆

اخلاق ایک لازوال طاقت

ساتویں صدی عیسوی میں پہلی دفعہ دنیا کی آنکھوں نے اخلاق وانسانیت کی سحر آفرینی کا مشاہدہ کیا تھا، اور ایسے حیرت انگیز مناظر اس کی نظروں سے گزرے تھے، جن کے سامنے عجمی تمدن اور روم وفارس کی عظمت کا قصر فلک بوس مسمار ہو گیا تھا، اور جنس بشر آقا وغلام کی غلط اور غیر فطری تقسیم سے آزاد ہو چکی تھی، اور انسانوں کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹنے اور ان کو پیدائشی طور پر دو الگ جنس قرار دینے کا تصور مٹ چکا تھا اور وہ سارے خواب بکھر چکے تھے جو طبقاتی، جغرافیائی اور رنگ ونسل کی بنیاد پر نوع بشری کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک آقا اور بلند طبقے کے انسانوں کا گروہ، جس کو زندگی کی تمام تر لذتوں، نعمتوں اور خدمتوں کا حق حاصل تھا، دوسرا غلاموں اور خدمت گزاروں کا گروہ جس کا کام صرف پہلے طبقے کے افراد کو آرام پہنچانا اور اس کی فرماں برداری کے لئے اپنے آپ کو جانوروں سے کم تر اور ذلیل بنا کر رکھنا تھا۔

عجمی تہذیب میں ساری ترقیاں اور آسائش وراحت کے سارے اسباب موجود تھے، لیکن اخلاق وانسانیت نام کی کوئی چیز پائی نہیں جاتی۔ اخلاقی انارکی اور زوال کا یہ عالم تھا کہ کمزور طبقے کے انسانوں کو جانوروں اور گدھوں کی جگہ پر استعمال کیا جاتا تھا اور ایک لمحے کے لئے بھی ان کو آرام کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف بلند اور طاقت ور طبقے کا یہ حال تھا کہ اس نے زندگی کو لہو ولعب اور عیش کوشی کا اس قدر عادی بنا دیا تھا کہ جب تک ان کے پاس مال ودولت اور لذتوں اور نعمتوں کا ایک سمندر موج زن نہ ہوتا، اس وقت تک وہ چین سے بیٹھ نہ سکتے تھے، یہی وہ تہذیب تھی جس کا اس وقت ساری دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا اور جس سے تمام قومیں متاثر تھیں اور ان کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے اخلاق وانسانیت کی دولت نہیں تھی۔

اس وقت کے حالات اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ دنیا اپنی عمر کے آخری لمحات گزار رہی ہے اور انسانیت دم واپسیں کی صعوبتیں جھیل رہی ہے۔ لیکن خالق کائنات کو ابھی یہ منظور نہ تھا۔ وہ اسے ایک اور موقع دینا چاہتا تھا۔ جس میں وہ اپنے مقصد و مقام سے پھر ایک دفعہ صحیح طور سے واقف ہو، اور زندگی کی حقیقی لذتوں سے ہم کنار ہو سکے، اس فیصلے کے بعد نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ساری دنیا کے لئے پیام رحمت لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی غیر متوازن تقسیم اور افضل و ارذل کے غلط معیاروں کو بدل دیا، اور پہلی دفعہ دنیا کے کانوں سے یہ آواز ٹکرائی کہ: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی إلا بالتقوی، کلکم من آدم وآدم من تراب۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے۔ تم میں ہر شخص آدمؑ کی اولاد ہے اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

اس اعلان حق کے بعد انسانوں کی توہین و تذلیل کا سلسلہ ختم ہونا شروع ہوا۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والے اس وحشیانہ اور اخلاق سوز حرکت کے متعلق سوچنے اور نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوئے اور بالآخر سارے انسان ایک ہی درجے کی مخلوق قرار پائے۔ مساوات، اخوت، محبت اور اخلاق نے ساری دنیا کے انسانوں کو متحد اور ایک خاندان بنا کر رکھ دیا۔ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک اس اخلاق کی فتح ہوئی اور تمام غیر اخلاقی طاقتوں نے اس کے سامنے اپنی شکست کا اعلان کر دیا۔ یہی وہ اسلامی اخلاق تھا جو ایک زمانے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت، ان کا سب سے بڑا سہارا اور ان کی عزت و عظمت کا ضامن سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب اس اخلاقی طاقت سے ان کی گرفت ڈھیلی پڑی اور ان کی توجہ دوسری مادی طاقتوں اور دنیاوی چمک دمک کی طرف ہوئی تو وہ کمزور ہو گئے اور بالآخر وہ سب سے کمزور قوم کے افراد شمار ہونے لگے، اس لئے کہ ان کا رشتہ اخلاق و انسانیت کے اس سرچشمے سے کٹ گیا جو ان کی سب سے عزیز متاع تھی اور وہ ہر حیثیت سے کمزور اور مغلوب ہو گئے۔

قوموں کی زندگی، ان کی عظمت و عزت اور ان کی فتح و نصرت اخلاق ہی سے وابستہ ہے،

اگر اخلاق کمزور ہو گیا تو کمزوری اور رسوائی سے مفر نہیں، تہذیب فرنگ کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ اس نے دلوں کی دنیا بالکل سونی کر دی اور تہذیب و اخلاق سے زندگی کا رشتہ کاٹ دیا، اس کے نتیجے میں مغرب کا انسان مشین کے پرزوں میں سمٹ کر رہ گیا اور اس کی زندگی میں حیا و مروت اور اخلاق و محبت اور جذبات و احساسات کی کوئی قیمت باقی رہی اور نہ اہمیت۔ اس دنیا میں اس کا مرکز توجہ اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ جانوروں کی طرح کھانا اور جمادات کی طرح زندگی بسر کرنا، یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے اخلاقی جرم کو کوئی اہم بات نہیں سمجھتا اور نہ جانوروں سے مشابہ زندگی بسر کرنے میں کوئی عار اور شرم محسوس کرتا ہے، اس بات سے بھی قطعاً اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی کہ اس کو اور کتے کو ایک ہی میز پر بٹھا کر ایک ہی قسم کا کھانا کھلایا جائے، بلکہ کتے کی تعظیم اس کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

مغربی تہذیب کی چمک دمک، اس کا رنگ و روغن اور اس کی گریز پا ترقیاں اس اخلاق کا بدل نہیں مہیا کر سکتیں جس کا تعلق صرف قلب اور احساسات و جذبات سے ہے۔ اس لئے کہ اس تہذیب کا تعلق ہر چیز سے ہے لیکن دل سے نہیں ہے۔ یہ جنگل بیابان کو گل و گلزار بنا سکتی ہے اور رات کی تاریکیوں کو دن کی طرح روشن کر سکتی ہے، یہ سمندر کی تہہ میں انسانی آبادی قائم کر سکتی ہے اور ہوا کے دوش پر سطح زمین کے نقشے بنا سکتی ہے لیکن دل کی دنیا کو روشن کرنے اور اخلاق و محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

آج سب سے بڑا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تیسری عالم گیر جنگ کا خطرہ ختم کرنے کے لئے تخفیف اسلحہ کی کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور نیوکلیائی اسلحے کے استعمال کو ممنوع قرار دینے کے لئے بین الاقوامی عدالت سے فیصلے صادر کرائے جائیں اور نہ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹی اور بڑی طاقتوں کے درمیان توازن قائم کیا جائے، اور اقتصادی ناہمواری دور کرنے کے لئے دولت مند ملکوں سے قرضے لئے جائیں۔

آج کا سب سے بڑا مسئلہ اخلاقی انارکی اور اس کے زوال کا ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو بآسانی حل نہ ہو جائے، یہی تمام مسائل کا سرچشمہ اور تمام مشکلات کی

بنیاد ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی اور عالم گیر مسئلہ ہے جس کو حل کرنے کے لئے دنیا میں کسی بڑے اور عالمی پیمانے پر کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ افسوس کہ یہ مسئلہ آج مسلمانوں کے سامنے خود ان کی طرف سے بھی درپیش ہے۔ اس لئے کہ اخلاق و دیانت داری کا عنصر آج جتنا زیادہ ہمارے اندر کمزور بلکہ مفقود ہو چکا ہے، اتنا زیادہ کبھی نہیں ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہماری تمام کوششیں بے اثر، ہمارے تمام عزائم بے سود اور ہماری تمام قوت بے کار ضائع ہو رہی ہیں، ہم اخلاقی حیثیت سے اتنے کمزور اور مغلوب نہ ہوتے تو ہرگز اس درجے تک نہ پہنچتے اور نہ ہم کو اپنی مدد کے لئے ان مادہ پرست قوموں اور بڑی طاقتوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ضرورت ہی پیش آتی۔ اسی اخلاقی زوال کا انجام مسلمانوں کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ وہ نہ صرف فوجی اور سیاسی معاملات میں ترقی یافتہ قوموں کے دست نگر ہیں بلکہ چھوٹے سے چھوٹے معاشی امور اور غذائی مواد تک کے لئے ان کے سامنے دست سوال دراز کرنے پر مجبور ہیں۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں ہماری اخلاقی گرفت اتنی ڈھیلی پڑ چکی ہے کہ ہمہ وقت اخلاقی افلاس کے مناظر ہماری نظروں کے سامنے گزرتے رہتے ہیں اور ہمارے کان اس کے سننے کے عادی ہو گئے ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی اخلاقی بیماری کے واقعات سے لے کر بڑی سے بڑی اخلاقی انارکی اور دیوالیہ پن کے واقعات میں مسلمان کسی سے کم نہیں ہیں۔ جھوٹ اور فریب ہو یا قتل و غارت گری کے واقعات ہوں، مجرمانہ ذہن کی تربیت ہمارے اندر جس آزادی اور انہماک سے ہو رہی ہے کسی اور جگہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ہماری زندگی مجموعی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی دونوں میدانوں میں اس اخلاقی زوال کا شکار ہے اور ہماری تمام مشکلات اور تمام مسائل کا سرچشمہ یہی اخلاقی کمزوری اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا فقدان ہے۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ مسلمانوں کو ہر ملک میں آج جتنے مسائل درپیش ہیں اور ان کے سامنے مصائب و مشکلات کا جس قدر ہجوم ہے، وہ کسی دوسری قوم کو نہیں ہے، حالانکہ وہ قومیں اخلاقی اعتبار سے بالکل دیوالیہ اور انسانیت کی بلند قدروں سے یکسر نا آشنا ہیں، لیکن مسلمان چونکہ اس عظیم امت کے افراد ہیں، جس نے اخلاق و انسانیت سے عاری اور

ناواقف دنیا کو سب سے پہلے اس کا درس دیا تھا اور انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اخلاق کی لازوال طاقت کے سہارے سنبھالا تھا، اس لئے ان کی اخلاقی گراوٹ سب سے بھاری اور ان کا اخلاقی زوال سب سے زیادہ اہم ہے اور اس کے نتیجے میں ان کو ہر وقت اور ہر جگہ بڑی سے بڑی مشکل اور زندگی کے ہر میدان میں بڑے سے بڑا مسئلہ درپیش ہے اور وہ ہر اعتبار سے کمزور، نڈھال اور بے بس ہیں۔

تہذیب فرنگ کا ہمارے لئے یہی سب سے بڑا انعام ہے، اس نے چند کھلونوں کے بدلے ہماری سب سے قیمتی متاع چھین لی اور ہم نے بخوشی اسے قبول کرلیا، کاش ہم سوچتے کہ ہم نے اس بداخلاقی، گراوٹ، جرم اور گناہ کی کتنی بڑی قیمت ادا کی ہے۔ اور مغرب کے ہاتھوں ہماری زندگی، پرمسرت زندگی، خوش نصیب، باعزت اور طاقت ور زندگی کس طرح پامال اور ذلیل ہوئی ہے۔ لیکن ہمیں سوچنے کی فرصت کہاں، ہمیں اپنے اختلافات اور چھوٹے چھوٹے کاموں کو چھوڑ کر اتنا موقع کہاں جو اس بنیادی اور اہم مسئلے کی طرف توجہ کرسکیں۔ ہمارا المیہ یہیں پر آکر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اصل ٹریجڈی اور المناک حقیقت تو یہی ہے کہ ہم نے اس کو المیہ سمجھا ہی نہیں، اور نہ ہم کو اپنی متاع اخلاق کے چھن جانے کا احساس ہے۔

ساتویں صدی میں عجمی تمدن کے طائر بلند پرواز کی جو منزل قرار پائی تھی وہ بہت بلند ہونے کے ساتھ اخلاق وانسانیت سے بالکل عاری اور ناآشنا تھی۔ آج بھی مغربی تہذیب اپنی آخری بلندی پر پہنچنے کے باوجود ننگ اخلاق ہے۔ جہاں انسانی جذبات اور قلب وضمیر کے تقاضوں کی کوئی قیمت نہیں، حالانکہ انسان کی شان امتیاز انہیں جذبات واحساسات اور قلب کی زندگی میں مضمر ہے۔ اس کے بغیر انسان اور حیوان اور دل اور پتھر میں کوئی فرق نہیں۔ اس وقت پوری انسانی آبادی کسی اخلاقی انقلاب کی منتظر ہے۔ یہ اخلاقی انقلاب بہت آسانی سے برپا ہو سکتا ہے۔ اگر امت اسلامیہ اپنی قیمت اور مقام پہچان لے اور اخلاق کی اس متاع گراں مایہ سے جو اس کے سینے میں پوشیدہ ہے، دنیا کو بھی آشنا کرے۔ اور اخلاق کی جو عظیم سوغات ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اس دنیا میں تشریف لائے اسے حرز جاں بنالے۔

باب دوم:
چند فدائیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

امین امت

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

اس وقت ہم عہد نبوی کی ایک بڑی شخصیت سے متعارف ہو رہے ہیں، ایک جلیل القدر صحابی اور ایک عظیم المرتبت امام سے، جو امت اسلامیہ کے "امین" کے لقب سے نوازے گئے، اور اسلامی تاریخ کے ان عظیم بانیوں اور معماروں میں ان کا شمار ہوا، جنہوں نے اسلام کا کلمہ بلند کرنے اور اس کی شان دوبالا کرنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیں، جنہوں نے اسلام کے پیغام کو قبول کرنے میں پیش قدمی کی، اور جن کو "سابقین اولین" کا خطاب ملا۔

یہ ابوعبیدہ بن جراح ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی اور امت کے امین کا لقب پانے والے، جو نہ صرف اسلام کے لیے تقویت اور مضبوطی کا باعث بنے، بلکہ انہوں نے بڑے بڑے معرکوں میں کافروں کے خلاف حصہ لیا۔ بدر و احد اور حدیبیہ میں ان کی عظمت کے کارنامے صفحۂ تاریخ پر ثبت ہیں، انہیں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ملک شام فتح کرایا، اور جبابرۂ روم کو اسلام کا لوہا ماننا پڑا، انہوں نے اپنے ایمان و عمل کی قوت سے رومیوں کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں اور شکست خوردہ کیا، دوسری طرف وہ انتہائی منکسر المزاج اور متواضع تھے۔ اور "من تواضع لله رفعه الله" کے مصداق تھے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کا پیغام قبول کیا اور "مؤمنین صادقین" کی فہرست میں ان کا شمار ہوا۔ کفار و مشرکین نے ان کو بڑی اذیتیں پہونچائیں، لیکن ان کے پائے استقامت میں بجائے کسی لغزش کے مزید قوت و مضبوطی پیدا ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم اور اللہ کے پیغام سے ان کو اتنا گہرا رشتہ اور لگاؤ تھا کہ وہ اس راہ میں ہر طرح کی سختی اور آزمائش جھیلنے کے لیے ہمہ تن تیار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اتنی محبت ہوگئی کہ ان کو دیکھ کر آپ خوش ہوتے اور بڑے بڑے معاملات میں ان کو یاد فرماتے، اور ان کی استعداد کے مطابق کوئی ذمے داری ان کے سپرد فرماتے۔ جن دس صحابیوں کو آپ نے جنت کی بشارت سنائی، ان میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی بہت نمایاں اور روشن نظر آتا ہے۔

یہی وہ شخصیت ہے جس نے حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور عظیم خلیفہ کو اس وقت پریشانی میں مبتلا کر دیا، جب وہ حکومت کے اہم مناصب لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے اور بالآخر انہوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جہاد جیسے نازک اور اہم ترین فریضے کی ادائیگی کے لیے لشکر کا قائد بنایا اور جنگ کی سختیوں میں ثابت قدم رہنے کے لیے انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کا انتخاب فرمایا۔ وہ اپنی نگاہ دوررس سے اس جوہر کے انتخاب میں بالکل برحق تھے۔ حالانکہ حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے عظیم المرتبت قائد جہاد اور بہادر سپہ سالار، فتوحات کی سرگرمیوں میں منہمک تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا، حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت خالدؓ پر ترجیح دینا اور پھر ان کے بجائے اِن کو قائد بنانا کسی بڑی حکمت اور مصلحت پر مبنی تھا جس میں حضرت ابوعبیدہؓ کی وزنی شخصیت کو بڑا دخل ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں لوگوں سے کہا کہ ہر شخص اپنی تمنا کا اظہار کرے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا بیان کی۔ آخر میں حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میری تمنا یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ جیسے لوگوں سے ایک بھرا ہوا گھر میرے پاس ہو۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا ہے، جو مردم شناسی میں اپنی مثال آپ تھے اور کسی کے بارے میں جلد اپنی رائے اور فیصلے کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ قریش میں تین شخص ہیں جو لوگوں میں سب سے خوبصورت، سب سے عقل مند اور سب سے بہادر ہیں، اگر تم میں سے کسی سے وہ کوئی بات کریں، تو کذب و دروغ سے دور رہ کر، اور اگر تم ان سے کوئی بات کہو تو وہ تمہاری تکذیب نہ کریں، وہ

تین شخص یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ، (۲) حضرت عثمان غنیؓ اور (۳) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تنہا وہ صحابی ہیں، جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا جامع اور بلند لقب عطا فرمایا، جس کی تمنا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمائی، آپ نے ان کو أمین ھذہ الأمة (اس امت کے امین) کا لقب بخشا، اور اسلام کی ذمے داری کو ادا کرنے میں ان کے بے پناہ جذبۂ محنت و جاں فشانی اور اخلاص وامانت کو دیکھ کر، نیز ان کے زہد وورع اور پرہیز گاری اور حق وانصاف اور آخرت کے پہلو کو ترجیح دینے اور ہمیشہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کو ملحوظ رکھنے میں ان کی شان کو دیکھ کر آپ نے ان کا نام امین رکھا۔ جو بلاشبہ وہ اپنے اور غیروں ہر ایک کے لیے امین تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ''امانت'' جیسی عظیم وبلند صفت کا ایک قابل تقلید نمونہ بنا یا تھا۔ طاعون کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مختلف طریقوں اور متعدد تدبیروں سے لوگوں سے نکال کر الگ کرنا چاہا، لیکن وہ اس بات پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اور انہوں نے خود اپنی جان بچا کر بھاگنا اور لشکر اسلام کو چھوڑ دینا کہ وہ طاعون کی آگ میں جھلس جائے، کسی طرح گوارا نہیں کیا، یہ ان کی امانت ہی تو تھی کہ انہوں نے قائد کے لیے آرام ومصیبت کے ہر موقع پر آگے رہنے کو پسند کیا۔ اس ذمے داری کا احساس بجز ایک امانت دار اور مخلص شخص کے کس کو ہوسکتا ہے!؟۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس امت کے وہ امین تھے، جس کی امانت کی ذمہ داری حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے اٹھائی، قیامت تک باقی رہنے والی امت اسلامیہ کے امین حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہر شخص کے لیے ہر زمان ومکان میں ایک نمونہ ہے، زہد وتقویٰ، فنائیت، اخلاص وامانت اور ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی اور اتباع کا جذبہ، یہ وہ اوصاف ہیں جو آپ کو ان کی زندگی میں بالکل نمایاں نظر آئیں گے۔

امین امت

میدان جنگ میں

معرکہ بدر میں عبداللہ بن جراح، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے والد، کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہیں، اور پوری جانبازی کے ساتھ کفن بردوش ہو کر مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے اپنی تمام طاقت وقوت اور صلاحیتوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو کفار کی صف میں دیکھ کر چاہا کہ کاش میرے والد میدان جنگ میں نہ ہوتے۔ وہ بار بار ان سے روگردانی کرتے اور ان کو دیکھ کر کترا جاتے، لیکن وہ برابر ان کے سامنے آجاتے، اور ان کو اپنی تلوار کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے۔

ایمان کی لذت سے نا آشنا عبداللہ بن جراح، اپنے ایماندار بیٹے کے لیے سخت دل ہو چکا تھا، وہ ایمان ویقین کی اس بڑی قوت کو بار بار چیلنج کر رہا تھا، جو اس کے بیٹے کے رگ وپے میں سرایت کر گئی تھی، انہوں نے کتنا ہی چاہا کہ وہ ان کو چھوڑ دے، دوسروں سے مقابلہ کرے، لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ بالآخر جذبۂ ایمانی جوش میں آیا، اور حق وباطل کے اس فیصلہ کن معرکے میں حق کا پہلو غالب آیا۔ عبداللہ بن جراح کا امین امت کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت انہیں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

"لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباءهم أو أبناءهم أو إخوانهم أو عشيرتهم"

''جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف

ہیں۔ گو وہ ان کے باپ یا بیٹے۔ یا بھائی یا کنبے ہی سے کیوں نہ ہوں۔

لیکن بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے باپ کو اس وقت قتل کیا، جب وہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نامناسب کلمات کہے، جسے سن کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کیا، لیکن نہیں مانے۔

یہ واقعہ بھی حضرت ابوعبیدہؓ کی امانت کی ایک بڑی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ کہنا گوارا نہیں کیا، اور اس کی سزا بجز قتل اور کچھ نہیں سمجھی۔ یہ ایمان و یقین کا وہ سچا جذبہ تھا جس کے سامنے کافر باپ کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اور اس کی سزا صرف یہی تھی کہ اس کے وجود کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا جائے، اور ایسے وقت میں جب کہ وہ میدان جنگ سے باہر تھے اور ان کے اعصاب پر دشمن سے انتقام لینے کی سختی نہیں طاری تھی، لیکن امین امت نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس فانی محبت پر ترجیح دی، سچے ایمان اور مخلص مؤمنین کی یہی شان ہر زمانے میں رہی ہے۔

جنگ احد میں جب کافروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا، تو اُن پندرہ صحابۂ کرام میں جنہوں نے حضور کو حملے سے بچا کر حملوں کو اپنے اوپر روکا، حضرت ابوعبیدہؓ بھی تھے۔ انہیں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے خود کے حلقے کو اپنے دانت سے پکڑ کر نکالا، جس کے نتیجے میں ان کے اگلے دونوں دانت ٹوٹ گئے، اور تکلیف کی شدت سے وہ زمین پر گر پڑے۔

غزوۂ حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے صلح کر لی، اور صلح کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مشرکین مکہ میں سے اگر کوئی شخص مدینہ آئے گا، تو اسے واپس کر دیا جائے گا، لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھاگ کر مکے چلا جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ بہ ظاہر یہ شرط شکست کے ہم معنی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر اطمینان نہیں ہو سکا۔ انہوں نے اس شرط کی مخالفت کی اور چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اختلافی نظریے کو ظاہر کر دیں۔ مگر حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر انہیں اس اختلاف

سے روکا، اوران کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے کو صدق دل سے قبول کرنے پر ابھارا، اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے کو فتح و نصرت کا پیش خیمہ تصور کیا۔ یہاں تک کہ سورۂ فتح نازل ہوئی اور قرآن کریم نے صاف صاف اس صلح کے فتح مبین ہونے کا اعلان کر دیا۔

اس نازک موقف میں حضرت ابوعبیدہؓ کی حق گوئی اور حق شناسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی صحیح رہنمائی کی۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بلند نظری اور ان کی بے مثال شجاعت نے ان کو بڑے بڑے معاملات میں شریک ہونے اور حصہ لینے کا موقع دیا۔ تاریخ کی کتابوں میں "سریۃ أبی عبیدۃ بن الجراح" کا تذکرہ ملتا ہے، جس میں حضرت ابوعبیدہؓ کی قیادت میں چالیس مسلمانوں نے بدویوں کے تین قبیلوں: محارب، ثعلبہ اور امار کے ہنگاموں کا خاتمہ کیا اور مال غنیمت میں سے اونٹ اور ساز و سامان لے کر آئے۔

غزوۂ ذات السلاسل میں، جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پیش آیا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اتحاد و اتفاق کی وہ مثال قائم کی، جو تاریخ میں معروف و مشہور ہے، یعنی نماز کی امامت کے لیے جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھنا چاہا تو حضرت عمرو بن العاص نے ان کو روک دیا، اس وقت ان دونوں حضرات کے ساتھیوں کے مابین اختلاف واقع ہونے کا اندیشہ ہو گیا، لیکن حضرت ابوعبیدہ اتحاد باقی رکھنے کے لیے امامت سے دست بردار ہو گئے، اور انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ آپس میں ہم لوگ ایک دوسرے کی بات سنیں اور مانیں، اس لیے اگر آپ میری مخالفت کریں گے، تو میں آپ کی موافقت کروں گا"۔

یہ ہیں حضرت ابوعبیدہ امت کے امین اور ان کی قوت ایمانی اور جہاد زندگی کا ایک خاکہ،!!

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

حضرت عبداللہ بن رواحہ - میدان عشق و جہاد کے شہسوار اور شاعر رزم و بزم

یثرب، جائے وقوع اور وہاں کے باشندے

جزیزہ نمائے عرب میں نجد و تہامہ کے درمیان پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جغرافیۂ عرب کے مؤرخین اس کو حجاز کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں۔ حجاز کے اس خطے میں تین شہروں کو زمانۂ قدیم سے مرکزیت حاصل رہی ہے۔ سب سے مشہور مکہ مکرمہ ہے۔ اس شہر کو "بلد امین" کے آسمانی لقب سے نوازا گیا۔ دوسرا مشہور شہر یثرب تھا۔ اور تیسرا طائف ، یثرب کو بعد میں دارالہجرت بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے بعد اس کا نام "مدینۃ الرسول" پڑ گیا۔ اور اخیر میں "المدینۃ المنورۃ" کے پاکیزہ اور روح پرور نام سے مشہور ہوا۔

یثرب کی قدیم آبادی یہودیوں کے قبائل پر مشتمل تھی، یہ لوگ گردش زمانہ کا شکار ہو کر مختلف اطراف سے آ کر یثرب میں آباد ہو گئے تھے، اور سد مآرب کے انہدام کے بعد یمن سے عرب قبائل ہجرت کر کے یثرب آ گئے، ان میں بنو قیلہ سر فہرست تھے۔ پھر یہی لوگ اوس و خزرج کے قبیلوں میں منقسم ہو گئے، ان کا نسب نامہ ازد قحطان کے قبائل سے ملتا ہے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ یہ لوگ یثرب کی اجتماعی زندگی پر چھا گئے، اور یہودیوں کے مقابل میں ان کو بالادستی حاصل ہوئی، ان کا شمار یثرب کے شرفاء اور سادات میں ہونے لگا، زراعت و تجارت ان کا اصل مشغلہ تھا، لیکن خزرج کے لوگ ان میں سب سے زیادہ نمایاں

حیثیت کے مالک تھے اور اوس کی بہ نسبت ان کو عددی اور معاشی حیثیت سے بھی غلبہ حاصل تھا۔ ان کے علاوہ دوسری عرب آبادی کو وہاں کی سوسائٹی میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں تھا۔

اوس وخزرج کا اختلاف

اہل خزرج کی طاقت، ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور لیڈر شپ، اور زندگی کے معاملات میں ان کا گہرا اثر قبیلۂ اوس کے لوگوں کے لئے نا قابل برداشت ہو گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خزرجیوں نے یثرب کے مرکزی علاقے کو اپنا مرکز و مسکن بنالیا۔ اور قبیلہ اوس کے لوگوں کو وہاں سے ہٹ کر جنوب مشرق میں آباد ہونا پڑا۔ یہ باتیں زیادہ دنوں تک آپس کے تعلقات خوشگوار نہ رکھ سکیں، خصوصاً ایک جنگ جو اور باحمیت قوم کے لئے تابع اور محکوم بن کر رہنا ناممکن تھا، خزرج کے قبیلے میں بہت سے جوشیلے نوجوان اور میدان جنگ کے تجربہ کار، سن رسیدہ بھی موجود تھے، انہوں نے اس صورت حال پر قناعت کرنا اپنی بڑی توہین سمجھی۔ اور آخر کار دونوں قبیلوں میں جنگ کی نوبت آ گئی۔ اور عرصۂ دراز تک اس کا سلسلہ جاری رہا۔ ان لڑائیوں میں خون خرابہ اور جان و مال کا ضیاع نا قابل قیاس حد تک ہوا، ان لڑائیوں کی داستان اور ان میں مشہور معرکے کا ذکر آج بھی تاریخ کے صفحات میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے، خاص طور سے: یوم سمیر، یوم السرارہ، یوم کعب، یوم فارع، یوم معبس ومضرس اور یوم بعاث تاریخی حیثیت سے بہت مشہور ہے۔

ان لڑائیوں کو ہوا دینے میں یہودیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ چونکہ کمزور اور بے اثر تھے۔ اس لئے ان کی عین خواہش تھی کہ وہ لوگ اس میں لڑ کر فنا یا کمزور ہو جائیں، تاکہ ان کو وہاں کے ماحول پر اثر انداز ہونے یا لیڈری کے مواقع حاصل ہو جائیں۔ چنانچہ ان کو اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیابی ہوئی، اور قریب تھا کہ وہی لوگ حاکمانہ حیثیت اختیار کر لیں اور عربوں کو اپنا غلام بنا کر ان سے بیگار لیں، لیکن ان کی اس کوشش وخواہش کو اوس وخزرج کے لوگ اچھی طرح سمجھ گئے اور ان کو اپنی کمزوری اور انتشار کا شدید احساس ہوا۔ ان کی نظریں ایک قائد کی تلاش میں ادھر ادھر گھومنے لگیں، اور وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار، ضائع شدہ

طاقت کو بحال کرنے کی فکر میں سرگرداں تھے کہ حج کا زمانہ قریب آ گیا اور خزرج کا ایک مؤقر وفد ادائیگی حج کے خیال سے مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ جہاں ان کی ملاقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام منیٰ میں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ ان کے حالات معلوم کئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا، اور ان کو ایسا محسوس ہوا کہ انہیں جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی، اسلام قبول کر لینے کے بعد انہوں نے اپنا تأثر اس طرح ظاہر کیا:

''ہم اپنی قوم کو دشمنی کی اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ ایسی دشمنی کسی اور قوم میں نہیں ہوگی، اب ہم کو یقین ہے کہ ہم متحد ہو جائیں گے، اور اپنی کھوئی ہوئی طاقت وعزت کو واپس لاسکیں گے''۔

پھر ان کے ذریعے یثرب میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب تعارف ہوا، اور گھر گھر اس کا چرچا ہوا، اور لوگ مسلمان ہوئے۔

عبداللہ بن رواحہ اسلام سے پہلے

عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، ان کی والدہ کبشہ بنت واقد بھی خزرجی تھیں، اوس وخزرج کے درمیان طویل جنگی حالات کی وجہ سے دونوں قبیلوں نے اپنے اپنے دفاع کیلئے شعر وشاعری کو بڑی اہمیت دی۔ دور جاہلیت کی سب سے بڑی خصوصیت شاعری تھی، اس کا استعمال موقع ومناسبت کے لحاظ سے ہر قبیلے کے لوگ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جس قبیلے میں کوئی شاعر نہ ہوتا، وہ ایک بڑی دفاعی طاقت سے محروم سمجھا جاتا تھا، اور اس کو کسی نہ کسی انداز سے اپنے دفاع کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اوس وخزرج کی طویل جنگوں نے دونوں قبیلوں میں شعر وشاعری کو ابھرنے کا خوب موقع دیا، شاعروں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ پروان چڑھے۔ چنانچہ حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ قبیلہ خزرج کے زبردست شاعروں میں تھے۔ اسی طرح اوس کے سب سے بڑے معاصر شاعر قیس بن الخطیم تھے۔ ان شاعروں کے مشہور اور مقبول قصیدے ''مذھبات'' یعنی

سنہرے قصائد کے نام سے مشہور تھے۔

اوس وخزرج کے درمیان جاری رہنے والی طویل جنگوں میں دونوں طرف کے شعراء نے شاعری کے اپنے اپنے جوہر دکھائے، اس سلسلے کی سب سے پہلی جنگ سمیر کی لڑائی تھی، اس جنگ کے شعلے کو اوس کے ایک شخص ''سمیر بن یزید'' نے بھڑکایا تھا، اور باوجود ساری کوششوں کے لڑائی کی آگ نہ بجھی، اور دونوں طرف کے شاعروں نے دل کھول کر اس میں حصہ لیا۔

عبداللہ بن رواحہ اور قبائلی جنگوں میں ان کا شاعرانہ کردار

جنگ سمیر زمانی اور مکانی رقبے کے اعتبار سے کافی طویل ثابت ہوئی، اس جنگ میں دونوں طرف کے شاعروں کو خوب خوب اپنے جذبات کی عکاسی کا موقع ملا۔ اوس کا پہلو اس میں غالب تھا، چنانچہ اوسی شاعر قیس بن الخطیم (قبیلہ اوس کا نہایت قادر الکلام شاعر، حضرت حسان اور عبداللہ بن رواحہ کا معاصر اور مدمقابل، افسوس کہ اسلام کی دولت سے سرفراز نہ ہو سکا) نے فخریہ قصیدہ کہا، اور خزرج والوں کو ان کی پسپائی پر عار دلایا، مقام فضاء میں ہونے والی اس جنگ کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے خاص طور سے اس مفہوم پر زور دیا، اور کہا کہ:

> ''اے بنی عوف کے لوگو! ہم نے مقام فضاء میں تم کو موت کا پیالہ پینے پر مجبور کر دیا، بہادروں کی فوج سے ہم نے تمہارا مقابلہ کیا، اور ہماری تلواروں نے تم کو کسی کام کا نہ رکھا، سن لو! ہم جب تک زندہ رہیں گے تمہیں قتل کرتے رہیں گے، اور تمہارے آدمیوں کو غلام بنا کر لے جائیں گے''۔

اس جارحانہ قصیدے کا سننا تھا کہ عبداللہ بن رواحہ کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ اور وہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔

چنانچہ انہوں نے قیس بن الخطیم کو ترکی بہ ترکی برجستہ جواب دیا۔ اور ۲۳، اشعار پر مشتمل اپنا قصیدہ ''دالیہ'' کہا، اور ابن الخطیم کی ہر ہر بات کا رد کیا۔ اس کی خوب خبر لی، یہی وجہ ہے کہ ابن الخطیم کے ۱۸/ اشعار پر مشتمل قصیدے کے جواب میں عبداللہ بن رواحہ کا قصیدہ ۲۳/ اشعار پر مشتمل تھا۔

جنگ بقیع کے موقع پر اوس کے لوگوں کو فتح حاصل ہوئی تو اس موقع پر اوسی شاعر عبید بن ناقد الاوسی نے ایک قصیدہ کہا، اور اپنے قبیلے کی تعریف کی، فتح یابی پر مسرور ہوا، اور خزرج کے لوگوں کو شرم دلائی، اس موقع پر بھی عبداللہ ابن رواحہ نے جوابی قصیدہ پیش کیا۔ یہ قصیدہ مکمل طور پر محفوظ نہیں، صرف دو شعر تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں:

لما رأيت بني عوف واخوانهم كعباً وجمع بني النجار قد حفلوا
قدما أبا حوا بالسيوف ولم يفعل بكم أحد مثل الذي فعلوا

''جب میں نے بنی عوف اور ان کے بھائیوں، کعب اور بنی نجار کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ سیلاب کی صورت میں جمع ہو کر آئے، تو میں نے یقین کر لیا کہ انہوں نے اپنی تلواروں سے تمہارے محفوظ علاقوں پر اپنا قبضہ جما لیا، اور انہوں نے جو کچھ کیا، اور جس انداز سے تمہارے اوپر فتح حاصل کر لی، وہ کوئی اور نہ کر سکا۔''

معبس و مضرس اور جنگ بعاث میں

معبس و مضرس دو دیواروں کے نام ہیں، دیوار ''مضرس'' کی اوٹ میں قبیلۂ خزرج کی فوج تھی، اور دیوار ''معبس'' کے پیچھے اوسی فوج اپنے جوہر دکھا رہی تھی۔ یہ لڑائی بہت سخت تھی، اور مسلسل کئی دنوں تک بلا کسی توقف جاری رہی، اس موقع پر دونوں قبیلوں کے شاعروں نے پوری طاقت کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا، حضرت حسان بن ثابت نے بھی اپنا مشہور ''نونیہ'' قصیدہ کہا۔ ادھر قیس بن الخطیم نے اپنی قوم کی شکست سے متاثر ہو کر نہایت درد و کرب میں ڈوبا ہوا قصیدہ کہا، عبداللہ بن رواحہ نے بھی اس موقع پر شعر کہا، اور ابن الخطیم کو شرم دلائی۔

اسی طرح جنگ بعاث کے موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے اثر میں ڈوبی ہوئی شاعری سے دلوں کو گرمایا، اور اپنے حریف شاعر قیس بن الخطیم کو ملامت کرنے اور عار دلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔ اس میں انہوں نے ابن الخطیم اور قبیلۂ اوس کی کمزوریاں گنائی ہیں:

يا قيس! أنتم شرار قومكم قدما، وأنتم أغثهم نسبا

''اے قیس! تم قدیم زمانے سے اپنی قوم کے شر پسند ہو، اور خاندانی اعتبار سے بھی بہت پست ہو''

حالفتم الفحش والخيانة والبخل جميعا واللؤم والكذبا

''تم نے کن کن علتوں کو اپنے اندر پال نہیں رکھا ہے، فحش، خیانت، کمینگی اور جھوٹ، کون سی خصلت تمہارے اندر نہیں ہے!؟''

يا قيس! إن الأسلاب أحرزها من كان يغشى الذوائب القضبا

''قیس! تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ مال غنیمت انہیں لوگوں نے حاصل کیا، جو بلند چوٹیوں اور بلند شاخوں پر ٹھکانا لینے والے تھے۔''

وأنت في الدار غير محتضر حربا، و تدعوقتالنا لعبا

''اور تم اپنے گھر میں بیٹھے جنگ کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے، اور ہم سے لڑنے کو کھیل سمجھ رہے تھے''

لو كنت فيهم والحرب لا قحة لكنت فيهم مغلبا ذنبا

''اگر تم ان میں اس وقت ہوتے جب کہ لڑائی اپنے شباب پر تھی، تو تم مغلوب اور دم چھلے بن کر ہی دکھائی دیتے''

نحن استبحنا ما في دياركم يوم صبحناكم بها حصبا

''ہم نے تمہارے گھروں پر طاقت ور حملے کر کے ہر چیز اپنے لئے مباح بنالیا۔''

نحن حماة الآطام في سالف الدهر وقد ما سقناكم جنبا

''ہم لوگ قدیم زمانے سے قلعوں کے محافظ ہیں، اور اسی وقت سے تم کو ہم غلاموں کی طرح ہانکتے رہے ہیں۔''

عبداللہ بن رواحہ کا قبول اسلام

منی میں ایام حج کے اندر ہجرت کے واقعے سے قبل بیعۃ العقبہ سے پہلے ہی قبول اسلام سے مشرف ہوئے، پھر بیعت عقبہ میں شریک ہوئے، اسی میں بارہ سرداروں نے اسلام قبول کیا، ان میں بنی حارث بن خزرج کے سردار عبداللہ بن رواحہ تھے، ان سرداران قوم کے

اسلام قبول کر لینے کے بعد مدینے کے ہر گھر میں اسلام پہونچ گیا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی عقیدت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگئی، اب فضا ہجرت کے لئے بالکل ہموار ہو چکی تھی، اور آپ نے ہجرت فرمائی، اور مقام قباء میں بنی عمرو بن عوف کے قبیلے میں قیام فرمایا، اور وہیں مسجد قباء کی بنیاد ڈالی۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب" میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ اپنے عصر کے بہترین شاعروں میں شمار ہوتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کفار کی طرف سے ہونے والے حملوں کا جواب دیتے تھے، تاریخ کی شہادت کی روشنی میں ابن رواحہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف سے دفاع کرنے اور جواب دینے میں ایک مثال قائم کر دی۔ کفار و مشرکین کو ان کی حرکتوں کا منہ توڑ جواب دیتے تھے۔ خاص طور سے ان کے شاعروں کو لاجواب کر دیتے تھے۔ اور ان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ اس معاملے میں پیش پیش حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک تھے۔ لیکن عبداللہ بن رواحہ ان کو کفر پر عار دلاتے تھے اور اس کی شناعت بیان کرتے تھے، اور اسلام کی افضلیت اور اس کی برتری کا اظہار کرتے تھے، یہ بات ان کے لئے اس وقت تو کچھ اہمیت نہیں رکھتی تھی، لیکن جب وہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، تب ان کو ابن رواحہ کے اشعار کی اہمیت معلوم ہوئی۔

ابن رواحہ اور ان کی بدیہہ گوئی

برجستہ گوئی اور حاضر دماغی میں شہرت رکھتے تھے، ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن رواحہ سے بڑھ کر کسی کو شعر گوئی کے معاملے میں جری اور زود گو نہیں پایا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ: ''ابن رواحہ کوئی ایسا شعر کہو جو اس وقت کے مناسب ہو، اس طرح کہ میں تم کو دیکھتا رہوں''۔ یہ کہنا تھا کہ وہ کھڑے ہوئے اور شعر کہنے لگے:

إني تفرست فيك الخير أعرفه والله يعلم أن ما خانني البصر

''میں نے آپ کے اندر خیر اپنی فراست سے دیکھ لیا ہے، اور اس کو میں دیکھ رہا ہوں، خدا شاہد ہے کہ میری نظر نے خیانت نہیں کی ہے، اور میں نے جو دیکھا ہے اس کو ایک ایک کر کے مسلمہ حقیقت کے طور پر بالکل صحیح پایا۔''

أنت النبي ومن يحرم شفاعته يوم الحساب لقد أزرى به القدر

''آپ نبی ہی ہیں! اور جو بھی قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہ جائے گا، اس کی قسمت پھوٹ جائے گی۔''

فثبت الله ما أعطاك من حسن تثبيت موسى، ونصرا كالذي نصروا

''اللہ نے جو خوبیاں آپ کو عطا فرمائی ہیں ان میں وہ آپ کو ثابت قدم رکھے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھا، اور آپ کو اپنی مدد اور کامیابی سے نوازے، جس طرح اور انبیائے کرامؑ کو مدد اور کامیابی حاصل ہوئی۔''

یہ سن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور فرمایا کہ: ''ابن رواحہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی ثابت قدم رکھے!''۔ ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، اور عبداللہ بن رواحہ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ وہ نعمت شہادت سے سرفراز ہوئے، ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے اور وہ اس میں داخل ہوئے۔

طبقات فحول الشعراء کے مصنف: ابن سلام الجمحی، ابن رواحہ کی شاعری اور ان کی سرداری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''عبداللہ بن رواحہ اپنی قوم کے عظیم المرتبت سردار تھے، جاہلیت میں بھی وہ اس منصب پر قائم تھے، اور ان سے بڑھ کر کوئی سردار نہیں تھا، اسلام لائے تو جنگ بدر جیسی عظیم الشان اور فیصلہ کن لڑائی میں شریک ہوئے، دور جاہلیت کی جنگوں میں، اوسی شاعر قیس بن خطیم سے شاعری کے میدان میں وہ زوردار ٹکر لیتے تھے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ اشعار:

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب "الاصابۃ" میں عبداللہ ابن رواحہؓ کے مدحیہ اشعار نقل کئے ہیں۔ان کے خیال میں یہ شعر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بہت بامعنی ہے:

لو لم تكن فيك آيات مبينة　　كانت بديهته تنبيك بالخبر

"اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نبوت کی بالکل کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوتیں، تب بھی آپ کے ظاہری حال سے نبوت کی شہادت تم کو مل سکتی ہے۔"

صلح حدیبیہ کے بعد جب عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو ابن رواحہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے، اہل مکہ اس منظر کو دیکھنے کے لئے جمع تھے، اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خلوا بني الكفار عن سبيله　　خلوا، فكل الخير في رسوله

"کافروں کی اولاد! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ صاف کرو اور ہٹو، تم کو کیا معلوم کہ کون سا خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔"

نحن ضربناكم على تأويله　　كما ضربناكم على تنزيله

"ہم نے تم کو آج اس خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی بنیاد پر ضرب لگائی، جس طرح ہم نے تم کو کتاب کے نزول کے وقت ضرب لگائی تھی"

(اس میں اشارہ ہے، سورۂ فتح کی آیت: لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنين... الخ کی طرف، جس میں مسجد حرام میں داخلے کی بشارت دی گئی ہے۔)

ضربا يزيل الهام عن مقيله　　ويذهل الخليل عن خليله

"ہم نے تم کو ایسی ضرب لگائی جو کھوپڑی کو سر سے جدا کر دے، اور جو دوست کو اپنے دوست سے غافل بنا دے۔) أو يرجع الحق إلى سبيله" تا آن کہ حق اپنے راستے پر واپس نہ آجائے۔"

نعتیہ قصیدہ

اس قصیدے کے چند بند اوپر گزر چکے ہیں، بقیہ اشعار مع ترجمہ کے پیش کئے جا رہے ہیں:

یا آل هاشم! إن الله فضلكم على البرية فضلا ما له غير

''اے آل ہاشم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس برتری اور بلندی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی''۔

ولو سألت أو استنصرت بعضهم في جل أمرك ما آووا وما نصروا

''اور اگر آپ ان اہل قریش اور بنی عمرو بن مخزوم سے اپنے کسی معاملے میں کوئی مدد چاہتے تو وہ نہ آپ کو کوئی ٹھکانہ دیتے، اور نہ کوئی مدد کرتے''۔

فخبروني أثمان العباء متى كنتم بطاريق أودانت لكم مضر

''مجھے بتاؤ اے دو کوڑی کے لوگو! تم کب فنون حرب کے ماہر و قائد تھے، یا کب قبیلۂ مضر نے تم کو سردار تسلیم کیا تھا!؟''

ابن رواحہ نے جب یہ شعر پڑھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کا اثر ظاہر ہوا، اس لئے کہ اہل قریش پر اس میں طنز تھا، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً یہ شعر میری زبان سے نکلا۔

نجالد الناس عن عرض فنأسرهم فينا النبي وفينا تنزل السور

''ہم دشمنوں کا مقابلہ ایک کنارے سے تلواروں کے ذریعے کرتے ہیں اور پھر ہم ان کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیتے ہیں، اللہ کے نبی ہمارے ساتھ ہیں، اور ہمارے درمیان قرآن کی سورتیں نازل ہوتی ہیں''۔

وقد علمتم بأنا ليس يغلبنا حي من الناس إن عزوا وإن كثروا

''تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ کوئی قبیلہ ہم پر غالب نہیں آپاتا، خواہ وہ کتنا ہی باعزت ہو، اور اس کے افراد کی طاقت و تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو''۔

غزوۂ خندق کے موقع پر رجزیہ کلام

۵ھ میں غزوۂ خندق کی تیاری ہو رہی تھی۔ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے، خندق کے ہر چہار جانب آپ نے لوگوں کو متعین فرمادیا تھا، اور نہایت سرگرمی کے ساتھ یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں انجام پارہا تھا، عبداللہ بن رواحہ بھی پوری توجہ اور لگن کے ساتھ اس کام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس موقع پر ابن رواحہ نے ایک رجزیہ کلام لوگوں کی ہمت بندھانے کے لئے کہا، وہی مسلمانوں کا ترانہ بن گیا، وہ خندق کھودتے جاتے تھے اور رجزیہ پڑھتے جاتے تھے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہت پسند فرمایا، اور خندق میں حصہ لیتے وقت آپ نے بھی اس کو بار بار دہرایا اور پڑھا۔ وہ رجز یہ یہ ہے:

اللهم لو لا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

(میرے اللہ! اگر آپ نے نہ چاہا ہوتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے۔)

فأنزلن سكينة علينا وثبت الأقدام إن لا قينا

(اس لئے ہم پر سکینت نازل فرمائیں، اور اگر دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائیں۔)

إن الألى قد بغوا علينا وإن أرادوا فتنة أبينا

(جن لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، اگر وہ ہم کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہیں گے تو ہم ان کو ناکام بنادیں گے۔)

اور کبھی یہ شعر پڑھتے:

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا أبر ربنا وأطهر

"یہ بوجھ خیبر کے بوجھ کی طرح نہیں ہے، یہ اس سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور روح پرور ہے"

ادھر مہاجرین وانصار خندق کھودتے اور اپنی پیٹھ پر مٹی لاد کر اسے منتقل کرتے وقت شوق ووارفتگی کے عالم میں یہ رجز پڑھتے:

نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد ما بقينا أبدا

(ہم ہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تازیست جہاد پر بیعت کی ہے۔)

دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ جواب دیتے:

اللهم لا خير إلا خير الآخرة فبارك في الأنصار والمهاجرة

(میرے اللہ! آخرت کے خیر سے بڑھ کر کوئی خیر نہیں، اس لئے آپ ہم انصار و مہاجرین کو برکت عطا فرما دیجئے۔)

مسجد قبا کی تعمیر کے موقع پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ پہنچے تو پہلے مدینے سے باہر قباء بستی میں عمرو بن عوف کے قبیلے میں قیام فرمایا، آپ نے وہاں مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں نے نہایت ذوق وشوق سے اس کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ اس موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے یہ رجز موزوں کیا، اور مسلمانوں کی ہمت افزائی کے لئے اسے پڑھنا شروع کیا:

أفلح من يعالج المساجدا ويقرأ القرآن قائما وقاعدا

ولا يبيت الليل عنه راقدا ومن يرى عن الغبار حائدا

(ان لوگوں کی کامیابی میں کیا شبہہ ہے، جو مسجدوں کی تعمیر کرتے وقت اور اٹھتے بیٹھتے قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور وہ سو کر اپنی راتیں نہیں گزارتے، بلکہ جس کو دیکھئے غبار میں اٹا ہوا ہے۔)

اس رجز کی خوبی یہ ہے کہ اسے عبداللہ بن رواحہ پڑھتے جاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہر بند کے قافیے کو دہراتے جاتے تھے۔

نعتیہ اشعار کے کچھ بند

عبداللہ بن رواحہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت درجہ تعلق تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی بہت قدر و ہمت افزائی فرماتے تھے، ان کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ وہ زبان اور تلوار دونوں کے بیک وقت مرد میدان تھے، شوق جہاد سے سرشار تھے اور جب بھی کوئی موقع ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شعر کہتے، وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے وحی اور دوسری تحریریں لکھواتے تھے، سفروں اور غزوات میں

ساتھ رہتے، ایک دفعہ انہوں نے یہ مدحیہ شعر کہے:

يا رسول المليك إن لساني راتق ما فتقت إذ أنا بور

(اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میری زبان بند ہے، میں اسے کھول نہیں سکا، اس لئے کہ میں ہلاک ہونیوالوں کی صف میں ہوں۔)

عمرۃ القضا کے موقع پر ابن رواحہ کا یہ رجز بھی منقول ہے:

بسم الذي لا دين إلا دينه بسم الذي محمد رسوله

أنا الشهيد أنه رسوله

(اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کا دین ہی اصل دین ہے، اس اللہ کے نام سے جس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ اس کے رسول ہیں۔)

افک کے واقعے سے متاثر ہو کر یہ اشعار کہے تھے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں ہے:

تعاطوا برجم الغيب زوج نبيهم وسخطة ذي العرش الكريم فأترحوا

(بغیر تحقیق کے ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ کی شان میں بہتان تراشی کی، اور انہوں نے عرش والے رب کی ناراضگی مول لی، اور اس کی وجہ سے غم واندوہ میں مبتلا ہو گئے)۔

وآذوا رسول الله فيها فجللوا مخازى تبقى، عموها وفضحوا

وصبت عليهم محصدات كأنها شآبيب قطر من ذرالمزن تسفح

(اور ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو، زوجہ مطہرہ کی شان میں تکلیف پہونچائی، تو وہ ہمیشہ باقی رہنے والی رسوائیوں پر سوار ہو گئے، وہ اس میں پوری طرح مبتلا کئے گئے اور رسوا کئے گئے، ان پر غضب الٰہی کے کوڑے برسائے گئے، جس طرح آسمان سے تیز بارش برستی ہے۔)

دوسرے مواقع کے نعتیہ اشعار:

عبداللہ بن رواحہ کی اہلیہ کو ان سے ایک مرتبہ کچھ شکایت پیدا ہوئی، اس کے ازالے کے سلسلے میں ان کا مطالبہ ہوا کہ ابن رواحہ اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو قرآن پڑھ کر سنائیں، مگر وہ موقع ایسا تھا کہ قرآن پڑھنا مناسب نہیں تھا، البتہ اہلیہ صاحبہ کو مطمئن کرنے کے لئے انہوں نے یہ اشعار قرآن کی طرح پڑھ دیئے، چوں کہ وہ بہت زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں، اس لئے مطمئن ہوگئیں، اور ان اشعار کو آیات قرآنی تصور کرلیا:

وفينا رسول الله يتلو كتابه . إذاانشق معروف من الصبح ساطع

(ہمارے درمیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ صبح کے طلوع ہونے کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔)

أرانا الهدى بعدالعمى فقلوبنا به موقنات أن ما قال واقع

(گمراہی کے بعد انہوں نے ہم کو ہدایت کا راستہ دکھایا ہے، تو ہمارے دل اس بات پر بالکل مطمئن ہیں کہ آپ کا فرمان بالکل سچ اور مبنی بر حقیقت ہے۔)

يبيت يجافي جنبه عن فراشه إذا استثقلت بالكافرين المضاجع

(رات اس طرح گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو آپ کے بستر سے الگ رہتا ہے، ایسے وقت میں جب کہ کفار نیند میں مست ہوتے ہیں۔)

أعلم علما ليس بالظن أنني إلى الله محشورهناك وراجع

(میں یقین کامل رکھتا ہوں، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کہ مجھے اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور آخرت کی طرف لوٹنا ہے۔)

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:

شهدت بإذن الله أن محمدا رسول الذي فوق السموات من عل

(اللہ کو منظور ہوا تو میں نے شہادت دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کے رسول ہیں جو

تمام آسمانوں کے اوپر ہے۔)

وأن أبا يحيىٰ ويحيىٰ كليهما　　له عمل فى دينه متقبل

(ابو یحییٰ یعنی زکریا علیہ السلام اور ان کے فرزند یحییٰ علیہ السلام، دونوں ہی کا عمل مقبول ہے، آپ کے دین میں (یعنی وہ بھی آپ کے ہی دین کے متبع تھے۔)

وأن التي بالجزع من بطن نخلة　　ومن دانها فل من الخير معزل

(اور عزیٰ درخت جو وادی نخلہ اور طائف میں مکہ کے درمیان ہے، اور جس کی لوگ عبادت کرتے ہیں، وہ ہر طرح کے فائدہ اور خیر سے بالکل خالی ہیں۔)

وأن الذي عادى اليهود ابن مريم—رسول أتى من عند ذى العرش مرسل

(اور جنہوں نے یہود سے دشمنی کی وہ ابن مریم ہیں، عرش والے اللہ کے بھیجے ہوئے وہ رسول مرسل ہیں۔)

وأن أخا الأحقاف إذ يعذ لونه　　يجاهد في ذات الإله ويعدل

(اور وادیٔ احقاف والے یعنی ہود علیہ السلام کو جب لوگ ملامت کرتے تھے تو وہ اللہ کی رضا کے لئے جہاد کرتے تھے اور عدل گستری کا فریضہ انجام دیتے تھے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جن اشعار کو انہوں نے اپنی اہلیہ کو قرآن کی جگہ پڑھا تھا، وہ یہ ہیں:

شهدت بأن وعدالله حق　　وأن النار مثوى الكافرينا

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، اور کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے)

وأن العرش فوق الماء طاف　　وفوق العرش رب العالمينا

(اور یہ کہ عرش الٰہی پانی کے اوپر تیر رہا ہے، اور عرش کے اوپر رب العالمین ہیں)

وتحمله ملائكة كرام　　ملائكة الإله مقربينا

(اور عرش کو باعزت فرشتوں نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہے، اللہ کے محبوب ومقرب فرشتوں نے۔)

صرف دو خالص نعتیہ شعر:

صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں یہ دو شعر بغیر کسی تقریب یا خاص مناسبت کے انہوں نے کہے:

تحمله الناقة الأدماء معتجرا بالبرد كالبدر جلى ليلة الظلم

(گندم گوں اونٹنی آپ کو لے کر چل رہی ہے، اس حال میں کہ آپ نے چادر کا عمامہ باندھ رکھا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ماہ کامل تاریک راتوں کو منور کردے۔)

وفي عطافيه أو أثناء بردته ما يعلم الله من دين ومن كرم

(خواہ آپ کے دونوں جانب کے حصوں میں ہو، یا آپ کی چادر کی تہوں میں، ہر جگہ دین واخلاق کے خزانے چھپے ہوئے ہیں، اس پر اللہ شاہد ہے۔)

ابن تیہان کی ضیافت اور ابن رواحہ کا مدحیہ کلام:

ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھوک کی شدت سے باہر نکلے، اور ابوالہیثم بن تیہان کے گھر تشریف لے گئے، انہوں نے زبردست استقبال کیا اور خوشی سے پھولے نہ سمائے، بہترین ضیافت کا انتظام کیا، اس میں عمدہ کھجور، کھانا اور ٹھنڈا پانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، حضور ﷺ کے کھانا تناول فرمانے کے بعد فرمایا:

''واللہ! یہی وہ ''نعمت'' ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا''۔

اس موقع کی مناسبت سے عبداللہ بن رواحہ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

فلم أر كالإسلام عزا لأمة ولا مثل أضياف الأراشي معشرا

(کسی امت کی عزت وشرف کے لئے اسلام جیسا مذہب میں نے نہیں پایا، اور نہ اراشی (مراد ابن تیہان ہیں، جن کی نسبت ان کے جد امجد اراش بن لحیان کی طرف کی گئی ہے۔) کے مہمانوں جیسی کوئی معزز جماعت میں نے دیکھی۔)

نبي و صديق وفاروق أمة وخير بني حواء فرعا و عنصرا

(امت کے نبی، صدیق اور فاروق سبھی جمع تھے، اور حوا کی بہترین اولاد، اصل وفروع کے لحاظ سے موجود تھی۔)

فوافوا لميقات و قدر قضية وكان قضاء الله قدرا مقدرا

(یہ لوگ ایک مقررہ وقت اور تقدیر کے فیصلے کے مطابق وہاں پہونچے، اور اللہ کا فیصلہ اٹل ہے۔)

إلى رجل نجد يبارى بجوده شموش الضحىٰ جودا و مجدا ومفخرا

(ایک ایسے عظیم بہادر حوصلہ مند آدمی کے پاس جو اپنی سخاوت، عالی ظرفی، بزرگی اور قابل فخر کارناموں سے دن کے سورج کا مقابلہ کرتا ہے۔)

وفارس خلق الله في كل غارة إذا لبس القوم الحديد المسمرا

(جو، ہر جنگ کے موقع پر ایک بڑا شہسوار بن کر سامنے آتا ہے، جب کہ دشمن کے لوگ کانٹے دار زرہ اور ہتھیار سے لیس ہوتے ہیں۔)

ففدىٰ وحيا ثم أدنى قراهم فلم يقرهم إلا سمينا متمرا

(اس نے اپنے معزز مہمانوں کے لئے جان چھڑک دی، اور خوش آمدید کہا، پھر ان کی مہمانی کا کھانا پیش کیا، اس میں نہایت تروتازہ اور تندرست بکرے کے گوشت کے ٹکڑے تھے۔)

سید الشہداء کی تعزیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم معظم سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں جام شہادت نوش فرمایا، دشمنوں نے ان کے ساتھ مثلہ کرنے اور جگر چبانے کا جو معاملہ کیا، اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بہت اذیت پہونچی، اس کا اثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوا، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی غمگین ہوئے، اس موقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے نہایت طاقت ور قصیدے میں تعزیت پیش کی، ابن رواحہ نے بھی یہ بے مثال تعزیتی قصیدہ کہا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی دل کو تسکین دینے کی کوشش کی، اور کفار کو ان کی غداری پر ملامت کی، اور ان کی بزدلی پر ان کو عار دلائی:

بكت عيني السيري وحق لها بكاها وما يغني البكاء ولا العويل

(اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اشکبار ہوئیں اور ان کو رونے کا پورا حق حاصل ہے، لیکن

اب رونے دھونے سے کوئی فائدہ پہونچنے والا نہیں ہے۔)

على أسد الاله غداة قالوا أحمزة ذاكم الرجل الطويل

(اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اس صبح کو آنسو بہانے لگیں، جب کہا جانے لگا کہ کیا حمزہ وہ بلند قامت انسان دنیا سے جاتا رہا۔)

أصيب المسلمون به جميعا هناك، وقد أصيب به الرسول

(تمام مسلمانوں کو ان کا سخت صدمہ پہونچا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل زخمی ہوا) [خاص طور سے مثلہ کرنے اور جگر چبانے کی وجہ سے]۔

أبا يعلى لك الأركان هدت وأنت الماجد البر الوصول

(اے ابو یعلی! ارکان عالم آپ کی موت سے لرز اٹھے، اور آپ ہی وہ شریف نیکوکار اور اپنے مقصد تک پہونچنے والے انسان ہیں۔)

عليك سلام ربك في جنان مخالطها نعيم لا يزول!!

(جنت کے باغوں میں آپ پر آپ کے رب کی سلامتی ہو، جہاں لازوال نعمتیں ہیں۔)

ألا يا هاشم الأخيار صبرا فكل فعالكم حسن جميل

(اے آل ہاشم! دنیا کے منتخب ترین لوگو! صبر کرو، اسلئے کہ تمہارے تمام افعال بہتر اور بہت عمدہ ہیں۔)

رسول الله مصطبركريم بأمر الله ينطق إذ يقول

(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت صبر کرنے والے اور صاحب کرم ہیں، وہ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں، جو کچھ بھی بولتے ہیں۔)

ألا من مبلغ عني لويا فبعداليوم دائلة تدول

(کون میرا یہ پیغام قریش کو پہونچادے گا، کہ آج کے بعد سے اب جنگ کا سلسلہ قائم رہے گا۔)

وقبل اليوم ما عرفوا و ذاقوا وقائعنا بها يشفى الغليل

(آج سے پہلے انہوں نے ہماری لڑائی کو نہ دیکھا، اور نہ تجربہ کیا ہوگا، جن سے ہمارے

انتقام کی پیاس بجھ جائے گی۔)

نسيتم ضربنا بقليب بدر غداة أتاكم الموت العجيل

(قلیب بدر میں ہماری مار کو تم بھول گئے، جہاں صبح تڑکے تم کو ناگہانی موت نے گھیر لیا تھا۔)

غداة ثوى أبو جهل صريعا عليه الطير حائمة تجول!!

(جس صبح کو ابوجہل مارا گیا اور اس پر پرندے منڈلانے لگے تھے۔)

وعتبة وابنه خرا وشيبة عضه السيف الصقيل

اور عتبہ اور اس کے بیٹے دونوں منہ کے بل گر کے ہلاک ہوئے تھے، اور شیبہ کو چمک دار تلوار نے ہلاک کیا تھا۔)

وتركنا أمية مجلعبا وفي حيز ومه لدن نبيل

(اور امیہ کو ہم نے زمین پر گرا ہوا چھوڑا تھا، اس حال میں کہ اس کے سینے میں بہت بڑا نیزہ پیوست تھا۔)

وهام بني ربيعة سائلوها ففي أسيافنا منها فلول

(اور بنی ربیعہ کی کھوپڑیوں سے ذرا پوچھو، جن کی وجہ سے ہماری تلواریں کند ہوگئی تھیں۔)

ألا يا هند فابكى لا تملى فأنت الواله العبرى الهبول

(اے ہند! (جس نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا) آنسو بہاتی رہو اور گھبراؤ مت، اس لئے کہ دراصل تم ہی رونے والی اور سوگوار ہو!)

ألا يا هند لا تبدي شماتا بحمزة إن عزكم ذليل

(خبردار، اے ہند! حضرت حمزہؓ کی مصیبت پر ذرا بھی خوش نہ ہونا، اس لئے کہ تم جس چیز کو عزت سمجھتی ہو، وہی دراصل ذلت ہے۔)

ابوسفیان بن حرب کی وعدہ خلافی کے موقع پر:

غزوۂ احد سے شکست کھا کر جاتے ہوئے ابوسفیان بن حرب نے دھمکی دی تھی کہ اس شکست کا بدلہ ہم اگلے سال مقام بدر الصفراء پر آ کر لیں گے، اور یہ اعلان کیا تھا کہ سال

پورا ہوتے ہی ہم آ کر لڑیں گے۔ اس کا جواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا اور فرمایا تھا کہ: بیشک ہم تیار ہیں۔ لیکن جب سال پورا ہوا اور وعدہ پورا کرنے کا وقت آیا تو ابوسفیان کی رائے بدل گئی، اور اب مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت وہ ہار گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو لے کر مقام موعود پر مقررہ وقت کے اندر پہونچ گئے، اور ابوسفیان اور ان کے لشکر کا انتظار کرتے رہے، لیکن وہ نہیں آئے، اور وعدہ خلافی کر بیٹھے، اس موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے ابوسفیان کو شرم دلائی، اور وعدہ خلافی پر سخت ملامت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

وعدنا أبا سفيان بدرا فلم نجد لميعاده صدقا وماكان وافيا

(مقام بدر الصفراء پر ہم نے ابوسفیان کے کہنے پر ان سے ملنے کی حامی بھر لی تھی، مگر افسوس کہ وہ اپنے وعدے کے سچے نہیں نکلے اور نہ وفائے عہد کا پاس کیا۔)

فأقسم لو وافيتنا فلقيتنا لأبت ذميما وافتقدت الموأليا

(بخدا اگر تم ہم سے آ کر ملتے اور جنگ کرتے تو یقین مانو بری حالت میں واپس جاتے اور اپنے حامیوں کو بھی کھو بیٹھتے۔)

تركنا به أوصال عتبة وابنه وعمراً أبا جهل تركنا ه ثاويا

(وہاں ہم عتبہ بن ربیعہ کے ٹکڑے اڑا دیتے اور اس کے بیٹے ولید اور ابوجہل کو ٹھکانے لگا دیتے۔)

عصيتم رسول الله أف لدينكم وأمركم السيئ الذي كان غاويا

(تم نے رسول اللہ کی نافرمانی کی، تف ہے تمہارے برے دین اور گمراہ کن اعمال وافعال پر۔)

وإني وإن عنفتموني لقائل فدى لرسول الله أهلي ومالیا

(مجھے چاہے تم جتنا بھی برا بھلا کہو، لیکن میں فخر سے کہتا رہوں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا مال، اولاد سب کچھ قربان ہوں۔)

أطعناه لم نعدله فينا بغيره شهابا لنا في ظلمة الليل هاديا

(ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اور ان کے برابر کسی کو نہیں قرار دیا۔ وہ ہماری راتوں کے شہاب ثاقب اور رہنما ہیں)

حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے موقع پر ابن رواحہ کا قصیدہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص بن الربیع سے زمانۂ جاہلیت میں ہوگئی تھی، غزوہ بدر کے موقع پر جب ابوالعاص کفار مکہ کے ساتھ گرفتار ہو گئے، اس لئے کہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے تو حضرت زینب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی رہائی کی درخواست کی، چنانچہ مسلمانوں نے ان کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینب کو مکے سے مدینے روانہ کر دیں۔ ابوالعاص بن الربیع نے اس شرط کو قبول کر لیا، اور مکے واپس آ کر حضرت زینب کو ایک ہودج میں سوار کر کے مدینے واپس بھیج دیا، اس موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے یہ قصیدہ کہا:

أتاني الذي لا يقدر الناس قدره لزينب فيهم من عقوق وماثم

(مجھے حضرت زینب کے بارے میں ان لوگوں کی طرف سے جو نافرمانیاں اور ناپسندیدہ باتیں ہوئیں وہ معلوم ہوئی تھیں، ان کی اہمیت سب کو نہیں معلوم ہے۔)

وإخراجها لم يخز فيها محمد على مأقط وبينا عطر منشم

(ان کو واپس کرنے اور مکے سے نکالنے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسوائی نہیں ہوئی، اس سخت جنگ کے بعد جو پیش آئی اور جس میں موت کی خوشبو سب نے محسوس کی۔)

وأمسى أبو سفيان من عهد ضمضم ومن حربنا في رغم أنف ومندم

(ابوسفیان ضمضم بن عمرو کے معاہدے کی وجہ سے، اور ہماری ان کے ساتھ جنگ کے باعث، سخت ندامت اور ناگواری میں مبتلا ہو گئے۔)

قرنا ابنه عمراً ومولى يمينه بذي حلق جلد الصلا صل محكم

(ہم نے ان کے بیٹے عمرو اور ان کے حلیف کو حلقوں والی مضبوط اور نہ ٹوٹنے والی زنجیروں میں قید کر دیا ہے۔)

فأقسمت لا تنفك منا كتائب سراة خميس في لهام مسوم

(میں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم لشکر کے سرداروں کے دستوں کو کبھی چھوڑ نہیں سکتے، جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور جن پر نشان لگا ہوا ہے۔)

نزوع قريش الكفر حتىٰ نعلها بخاطمة فوق الأنوف بميسم

(ہم کافر قریش کو لگام لگا کر ہانکیں گے، تا کہ ان کو دوبارہ جام ذلت پلائیں، اور ہم ان کی ناکوں پر داغ لگائیں گے۔)

ننزلهم أكناف نجد ونخلة وإن يتهموا بالخيل والرجل نتهم

(ہم ان کو مقام نجد و نخلہ میں پہونچا دیں گے، اور اگر وہ اپنے پیدل اور سوار کے ساتھ تہامہ جانا چاہیں گے، تو تہامہ لے جائیں گے۔)

يدالدهر حتى لا يعوج سربنا ونلحقهم آثار عاد وجرهم

(ہمیشہ کے لئے، تا کہ ہمارا راستہ ٹیڑھا نہ کیا جائے اور ہم ان کو عاد و جرہم سے ملا دیں گے، یعنی نیست و نابود کر دیں گے۔)

ويندم قوم لم يطيعوا محمدا على أمرهم، وأى حين تندم

(جن لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کی، اور اپنی بات پر اڑے رہے وہ بہت شرمندہ ہوں گے، لیکن ندامت اس وقت انکو کوئی فائدہ نہیں پہونچائے گی۔)

فأبلغ أبا سفيان إما لقيته لئن أنت لم تخلص سجودا و تسلم

فأبشر بخزي في الحياة معجل وسربال قار خالدا في جهنم

(ابوسفیان سے ملاقات ہو تو میرا یہ پیغام ان کو پہونچا دو کہ اگر تم نے اپنے رب کے لئے سچے سجدے نہیں کئے اور اسلام نہیں لائے تو بہت جلد پیش آنے والی رسوائی کی بشارت قبول کرو، اور تارکول کے لباس کی خوش خبری جہنم میں ہمیشہ رہتے ہوئے۔)

جنگ موتہ کے لئے روانگی اور عشقیہ اشعار:

عبداللہ بن رواحہ عقبہ کے علاوہ تمام اہم غزوات میں نہایت ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہوئے، راہ خدا میں جان دینے کا جذبہ ان کے دل میں شدت سے موج زن تھا، وہ غزوۂ بدر، احد، خندق، حدیبیہ اور عمرۃ القضاۃ سبھی غزوات میں شریک ہوئے، لیکن غزوۂ موتہ ان کا آخری معرکہ تھا، جہاں ان کا شوق شہادت پورا ہونے والا تھا۔

عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن رواحہ مؤتہ کی طرف روانہ ہونے لگے اور مسلمانوں نے ان کو رخصت کیا تو دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو فتح مند اور سالم وغانم واپس لائیں، تو یہ سن کر ابن رواحہ نے یہ شعر پڑھے:

لكنني أسال الرحمن مغفرة وضربة ذات فرغ تقذف الزبدا

(لیکن میں تو اللہ سے مغفرت کا طالب ہوں، اور ایسی کاری ضرب کا متمنی ہوں، جس سے جھاگ مارتا ہوا خون ڈول کے منہ کی طرح نکلے)۔

أو طعنة بيدى حران مجهزة بحربة تنفذ الأحشاء والكبدا

حتى يقال إذا مروا على جدتي أرشده الله من غاز و قد رشدا

(یا کسی گرم دشمن کی طرف سے کام تمام کر دینے والا نیزہ لگے، جو جگر اور کلیجے کو پار کر جائے، یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو کہیں کہ کیا ہی خوب مجاہد تھا، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت کیا اور مؤتہ کی لڑائی پر روانہ فرمادیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

خلف السلام على امرئ ودعته في النخل خير مشيع وخليل

(امن وسلامتی ہمیشہ اس شخص کے پیچھے رہے، جن سے میں نخلستان میں ابھی رخصت ہوا، وہ بہترین دوست اور رہنما ہیں۔)

موتہ کے راستہ میں وارفتگی اور شعر:

عبداللہ بن رواحہ موتہ روانہ ہوئے تو اپنی اونٹنی پر انہوں نے اپنے یتیم بھائی زید بن ارقم کو جوان کے زیر تربیت تھے، اپنے پیچھے بٹھالیا تھا۔ انہوں نے رات کے سناٹے میں یہ شعر پڑھنا شروع کیا۔ حضرت زید نے اسے سنا اور روایت کیا:

إذا أدنيتني وحملت رحلي مسيرة أربع بعد الحساء
فشأنك فانعمى وخلاك ذم ولا أرجع إلى أهلي ورائى
وجاء المؤمنون وغادروني بأرض الشام مشهور الثواء
وردك كل ذي نسب قريب إلى الرحمن منقطع الإخاء
هنالك لا أبالي طلع بعل ولا نخل أسافلها رواء

اپنی اونٹنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں جس پر سوار ہو کر وہ موتہ کی طرف روانہ ہوئے تھے:

"جب تم خوب آسودہ ہو کر چار راتیں مسلسل چلنے کے بعد میرا سامان لے کر مقام موتہ سے قریب مجھے پہونچا دو، تو پھر تم کو آزادی ہے، اطمینان و مسرت کے ساتھ رہو، تم کو کوئی گزند نہیں پہونچے گا، اور مجھے دوبارہ اب اپنے گھر واپس نہیں آنا ہے۔ اہل ایمان میرے دوست آ کر مجھے ملک شام (جو لوگوں کو پناہ دینے کے لئے مشہور ہے) کی طرف رخصت کر کے چلے گئے۔ جب تم کو ہر قریب و عزیز اللہ کی راہ میں قربان کر دے، اور تمہارا ظاہری رشتہ ان سے منقطع ہو جائے تو اس وقت مجھے کسی ایسے کھجور کے خوشوں کی پروا نہیں ہے جس کے درخت کی جڑیں اندر تک پھیلی ہوئی ہوں، یا جس کے درخت کے نچلے حصے کو سیراب کیا جاتا ہو۔"

غزوۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما دونوں شہید ہو گئے اور لشکر کی قیادت کا جھنڈا ابن رواحہ کے ہاتھ میں آیا تو ان کے دل میں کچھ

گھبراہٹ پیدا ہوئی، اس موقع پر انہوں نے اپنے دل کو سمجھاتے ہوئے اور اس کو مطمئن کرتے ہوئے یہ اشعار کہے۔ اس میں انہوں نے اپنے نفس کو مخاطب کیا ہے:

أقسمت يا نفس لتنزلنه طائعة أولا، لتكرهنه

(اے نفس! بخدا ہر حال میں تجھے موت کے گھاٹ اترنا ہی ہے، خواہ تو چاہے، یا نہ چاہے!)

إن أجلب الناس وشدوا الرنة مالي أراك تكرهين الجنة

(جب لوگ ہنگامۂ جنگ برپا کریں اور حملہ سخت ہونے لگے تو کیا وجہ ہے کہ میں تم کو جنت سے بیزاری کے احساس میں دیکھوں۔)

قد طالما قد كنت مطمئنة هل أنت إلا نطفة في شنة

جعفر! ما أطيب ريح الجنة!؟

میں نے ہمیشہ ہی تم کو مطمئن دیکھا، تمہاری حقیقت سوائے ایک قطرۂ آب کے اور کیا ہے جو کہ مشک میں ہو، حضرت جعفر! جنت کی خوشبو کتنی شاندار ہے؟۔

هل أنت إلا إصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

(تمہاری مثال ایک انگلی کی ہے، جو خون آلود ہو جائے، جو کچھ تم کو مشقت یا تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے، وہ سب اللہ کی راہ میں ہے۔)

يا نفس إلا تقتلي تموتي هذا حمام الموت قد صليت

(اے میری جان! اگر شہید نہ ہوئے تو موت سے چارۂ کار نہیں، اس کے جام کو تمہیں پینا ہی ہے۔)

إن تسلمي اليوم فلن تفوتي أو تبتلي فطالما عوفيت

(اگر آج بچ بھی جاؤ تو آئندہ نہیں بچ سکو گی، خواہ بیمار ہو ہو کر تم اچھی ہو جایا کرو۔)

وما تمنيت فقد أعطيت إن تفعلي فعليهما هديت

(جو تمنائیں تم نے کیں وہ پوری ہو گئیں، تم بھی اگر اپنے پیش رو ساتھیوں (حضرت جعفر اور حضرت زید) کے نقش قدم پر چلو گی تو منزل پالو گی۔)

وإن تأخرت فقد شقيت

(اور اگر پیچھے رہوگی تو تم کو سوائے شقاوت اور بدنصیبی کے کچھ نہ ملے گا۔)

یہ ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی، اور میدان شعر وجہاد کے شہسوار، اسلام سے قبل دور جاہلیت میں اوس وخزرج کی طویل جنگوں میں الجھ جانے اور فتح وکامیابی کی فکروں میں مشغول رہنے کی وجہ سے شعر گوئی میں بہت زیادہ حصہ نہ لے سکے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی جہاد اور غزوات میں برابر شریک رہے، اور اہم مواقع پر مشق سخن سے بھی غافل نہیں رہے۔ لیکن کم گو شاعر ہی کی حیثیت سے تاریخ میں ان کی شہرت ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جہاں بھی موقع ملا، نعتیہ اشعار اور قصائد کہنے سے باز نہیں آئے۔

قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے یہ اہل نقد وتاریخ کے نزدیک مسلم ہیں۔ ان کے کلام میں ندرت، نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی، مدمقابل کو لاجواب کردینے کی صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ان کے مجموعۂ کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعر ہونے کے ساتھ بڑے مجاہد اور غازی تھے۔ اور اللہ کی راہ میں جان دینے کی تمنائیں ان کے دل میں ہر وقت کروٹیں لیتی رہتی تھیں، یہاں تک کہ جنگ مؤتہ میں انہوں نے نہایت مردانگی اور ایمان کی تازگی کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے، کوئے دوست
جب سے یہ مژدہ سنا ہے، سر وبال دوش ہے

☆☆☆

غزوۂ تبوک - چند جھلکیاں اور حقائق

۹ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک یہ خبر ملی کہ رومیوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کی پوری تیاری کر لی ہے، اور وہ عنقریب دیار اسلام پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان تنگ حالی میں مبتلا تھے، رومیوں نے اس کو غنیمت سمجھ کر موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، ان کو پورا یقین تھا کہ وہ اپنا عظیم الشان لشکر لے کر مسلمانوں کے ملک میں جائیں گے، اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اسلام کا نام ہمیشہ کے لئے دنیا سے مٹا دیں گے۔

لیکن ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، اور ان کے منصوبوں کے برعکس خود مسلمانوں کا لشکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ان تک پہونچ گیا، اور انہوں نے دیکھ لیا کہ ایمان کی لذت سے آشنا ان مٹھی بھر مسلمانوں میں کتنی جواں مردی، بہادری اور شوق شہادت موجود ہے، جس اسلام کو وہ مٹانے کا منصوبہ رکھتے تھے وہ کتنا طاقتور، کتنا عظیم و مستحکم اور کس قدر جاندار ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب بھی آپ کسی غزوے کے لئے نکلتے تو اس کے متعلق تفصیلات لوگوں کو نہیں بتاتے، لیکن اس دفعہ آپ نے رومیوں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو تمام مسلمانوں میں اعلان عام فرما دیا، اور اس غزوے کی پوری کیفیت لوگوں پر واضح کر دی، صحابۂ کرام باوجود تنگ حالی، پریشانی اور موسم کی شدت کے، غزوے میں نکلنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو گئے، یہاں تک کہ تقریباً ۳۰ ہزار مسلمانوں کا لشکر جمع ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے کی اہمیت پر ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں مالداروں اور خوش حال لوگوں کو زیادہ حصہ لینے اور لشکر کی تیاری میں ہاتھ بٹانے کی

ترغیب دلائی، یہ تقریر دلوں میں اس طرح اثر انداز ہوئی کہ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوگیا، جہاد کے جذبے سے معمور دل تڑپ اٹھے، فدائیان رسول اپنی جان و مال سب ہی کچھ قربان کردینے پر اس طرح آمادہ ہوئے کہ انہوں نے اپنا سارا مال ومتاع حضور کے قدموں میں ڈال دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تین سو اونٹ کجاوے سمیت، اور سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار حضور کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط مسرت میں دعا فرمائی کہ:

''اے اللہ! تو عثمان سے راضی ہوجا، کہ میں ان سے راضی ہوں۔!!''

امام احمدؒ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان ایک ہزار دینار لے کر آئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں اس کو رکھ دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے، اور فرمایا کہ:

''ابن سفیان (عثمان غنیؓ) نے آج جو عمل کیا ہے، اس کے بعد ان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہونچا سکتی۔''

بیہقی میں عبدالرحمٰن اسلمی کی روایت سے منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک کے موقع پر خطبہ دیا اور صحابۂ کرام کو لشکر کی تیاری میں حصہ لینے پر زور دیا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ حضور! تین سو اونٹوں کا کجاوے سمیت ذمہ لیتا ہوں۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی ایک سیڑھی سے اتر کر لوگوں کو ترغیب دلائی تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں مزید سو اونٹوں کا ذمہ لیتا ہوں۔ پھر آپ نے تیسری بار ترغیب دلائی تو حضرت عثمان نے مزید سو اونٹ پیش کئے، ادھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اپنا پورا سرمایہ چار ہزار درہم، حضور کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ یہی چار ہزار درہم ان کی کل کائنات تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! تم نے اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب

دیا: ان کے لئے میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے"۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دوسو اوقیہ چاندی لے کر آئے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب حضور کے عم مکرم اور طلحہ بن عبیداللہ مال و دولت کا ایک انبار لے کر آئے، اور عاصم بن عدی ستر وسق کھجور لے کر حاضر ہوئے۔

دوسری طرف عورتوں نے اپنے زیورات، بالیاں وغیرہ اللہ کی راہ میں لشکر کی تیاری کے لئے دے کر سخاوت و فیاضی کی ایک عظیم مثال قائم کی۔

لشکر کی تیاری قریب بہ تکمیل تھی کہ ادھر حضور کی خدمت میں صحابہ کرام کی ایک جماعت جو سات افراد پر مشتمل تھی، حاضر ہوئی اور ان لوگوں نے حضور کے ساتھ اس اہم ترین غزوے میں شریک ہونے اور شرف معیت حاصل کرنے کی تمنا کا اظہار کیا، اور عرض کیا حضور! ہمارے پاس سواریاں نہیں ہیں، اس لئے کوئی انتظام فرمادیا جائے تاکہ اس شرف سے ہم محروم نہ رہ جائیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معذرت کے انداز میں فرمایا کہ: افسوس تمام سواریاں ختم ہو چکی ہیں، اب میں تم کو کون سی سواری دوں، جواب سنتے ہی یہ حضرات رونے لگے، اور ان کو اپنی محرومی کا غم بری طرح ستانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ ان کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں، جو قیامت تک تلاوت کی جاتی رہیں گی۔

غم اور خلوص کے یہ آنسو رائیگاں کیسے جاسکتے تھے، آخر کار ان کی تمنائیں بھی پوری ہو کر رہیں، اور مجاہدین کی صف میں شامل ہونا ان کو بھی نصیب ہوا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو سواریوں کا انتظام فرمایا۔ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب نے دو کا، اور حضرت عمرو بن یامین نے دو کا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عمرو بن یامین نے ابولیلیٰ اور عبداللہ بن مغفل کو دیکھا کہ دونوں رو رہے ہیں، تو انہوں نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تاکہ ہمارے لئے سواری کا کوئی انتظام ہو جائے، لیکن ہم اس میں ناکام رہے، اور حضور کے ساتھ غزوے میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ گئے۔ تو عمرو بن یامین نے ان کو ایک اونٹ اور کچھ

کھجوریں دیں، اور وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوے میں نکلے۔

اور اسلام کا یہ مثالی لشکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایثار و اخوت، صبر و تحمل کی مثال قائم کرتا ہوا ایک بڑے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلا، اور صحرا کی سختیوں کو جھیلتا ہوا بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرتا ہوا یہ لشکر اس طرح نکلا کہ تاریخ میں بلند حوصلگی، عالی ظرفی، اخلاق و اخوت اور ایثار و قربانی کا ایک عظیم الشان نقش قائم ہو گیا، اور رہتی دنیا تک کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ نگاہوں کے سامنے آیا، مؤرخ کے قلم نے اس لشکر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

''دس دس آدمی ایک اونٹ کے ساتھ نکلتے تھے اور باری باری اس پر سوار ہوتے تھے، اس طرح کہ تھوڑی دیر ایک آدمی سوار ہو کر اتر جاتا اور دوسرا سوار ہو جاتا، ان کی غذا صرف جو اور کھجور تھی، بعض لوگ تو صرف کھجور ہی پر قناعت کرتے، جب بھوک حد سے فزوں ہو جاتی تو کھجور منہ میں ڈال کر چوس لیتے اور اسی کو پھر اپنے دوسرے ساتھی کو دے دیتے جسے وہ بھی چوستا، اس کے بعد ایک گھونٹ پانی پی لیتا، اس طرح ہوتے ہوتے صرف اور صرف اس کھجور کی گٹھلی رہ جاتی۔ یہ لوگ اپنے صدق و یقین میں اتنے پختہ اور سرشار تھے کہ انہیں کسی بات کا خوف نہیں تھا، وہ برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، لشکر اسلام ان سختیوں کو برداشت کرتا ہوا مقام تبوک میں پہونچا تو وہاں رومیوں کا کوئی نام و نشان بھی نظر نہیں آیا، اسلام کی ہیبت اس طرح ان کے دلوں میں سمائی کہ وہ شکست کھا کر بھاگ چکے تھے، شمالی سرحد پر مقیم رومیوں کے سپہ سالار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح کا معاہدہ کرتے ہوئے آئے اور جزیہ ادا کرنے کا یقین دلایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ قبول کر لیا''۔

اور پھر تاریخ نے غزوۂ تبوک کے تاریخی واقعہ کو ایسا دوام بخشا کہ وہ ہمارے لئے آج تک مرقع عبرت اور درس عزیمت ہے۔

باب سوم:

سیرت طیبہ

ادب اور تاریخ کے آئینے میں

مسنون دعاؤں میں ادب کی جلوہ گری

زندگی اور اس کے وسیع تر مفہوم اور اس کے مختلف پہلوؤں نیز اس سے تعلق رکھنے والے تمام احوال وکوائف کو پسندیدہ کلام اور دل کش پیرایۂ بیان، دل نشیں اور مؤثر طرز ادا کے ساتھ منظر عام پر لانے کو اصطلاح کی زبان میں ادب کہتے ہیں۔ ادب دراصل ایک ادیب کی شخصیت کا مکمل آئینہ ہوتا ہے، اور اس کے صحیح خدوخال اور فطری قد وقامت کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ اس کی پوری نفسیات اور ماحول جس میں وہ سانس لیتا ہے، اور زمانہ جس میں وہ اپنی زندگی کے لمحات گزارتا ہے اپنے جملہ افکار وآمال اور احوال وعادات کے ساتھ جھلکتا نظر آتا ہے۔ اور چوں کہ زندگی کائنات اور انسان سے متعلق حقائق وواقعات کے نمائندہ ادب کا یہی صحیح مفہوم ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو عالمی ادب کے درمیان ایک امتیازی مقام اور غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، بلکہ وہ ان گلہائے رنگا رنگ میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے، جسے نسل انسانی باہم یکے بعد دیگرے اخذ واستفادے کے ذریعے منتقل کرتی چلی آئی ہے، اس کے انتخاب اور اس کے شہ پاروں اور بیش بہا نمونوں سے خوشہ چینی کرنے میں مسابقت سے کام لیا ہے، اور اس کے فنی پہلوؤں اور زندگی سے لبریز اور سحر انگیز کلام سے محض لطف اندوز ہونے ہی میں نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے میں کوشش صرف کرنے کو اپنے لئے سرمایۂ فخر قرار دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا اور ذکر پر مشتمل کلام، ادب کا ایک اہم اور عظیم الشان باب ہے، کیوں کہ انسان جس وقت پوری یکسوئی کے ساتھ دعا اور ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور اپنے کریم پروردگار کی طرف بحضور قلب ودماغ ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بغیر کسی

تکلف و تصنع کے مناجات کرتا ہے اور اس کی زبان، دل بلکہ پورا سراپا صرف ایک نقطے پر مرکوز ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ زندگی کے بند دریچے وا کرنا چاہتا ہے، تاریک گوشوں کو منور کرنا چاہتا ہے، شب تیرہ کی تیرگی سے نکل کر روز روشن کے اجالوں کا جویا ہوتا ہے۔ ان لمحات میں اس کی زبان پر جاری ہر کلمہ، اس کے دل کی ہر دھڑکن، فطری ادب کا انمول نمونہ ہوتی ہے۔ جس سے کوئی بھی انسان اپنی زندگی میں بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اور آپ کی حیات طیبہ ہر ایسے مؤمن کے لئے، جو اپنی زندگی کی عمارت ایمان وعقیدے اور عمل و کردار کی صحیح بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہو، انتہائی عظیم، بیش بہا اور روح پرور سرمایہ حیات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سے، اس باعظمت امت کا جز ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ ہے کہ اس پاک وضیاپاش سیرت کے ہر پہلو کا گہرا مطالعہ کریں۔ تاکہ زندگی کے تاریک افق میں روشنی کی کرنیں بکھر سکیں۔ ان روشن پہلوؤں میں ایک نمایاں پہلو دعا کا بھی ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ اور فکر ونظر پر ہر لمحے مستولی تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا، دعا تو خالص عبودیت اور سچی بندگی کا ایک اہم حصہ ہے، اور معبود و مسجود حقیقی کی چوکھٹ پر اس کی صفت رحمت ورأفت پر اعتماد کرتے ہوئے صرف اس کی ذات سے تمام امیدوں کو اپنے سینے میں بسا کر، جو خاص اس کے مومن بندوں کی شان ہے، اپنے آپ کو اس کی چوکھٹ پر ڈال دینے کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعا ان عظیم اسباب میں شمار ہوتی ہے جس کو اختیار کرنا ہر آن اور ہر گھڑی ضروری ہے۔ خصوصاً اس وقت جب پریشانیاں دو چند ہو چکی ہوں، حالات بحران کا شکار ہوں، آزمائشوں پر آزمائشوں کا سلسلہ جاری ہو، اور مصائب کی آہنی زنجیریں دل و دماغ کو جکڑ رہی ہوں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حال ومقام سے متعلق دعاؤں کا ریکارڈ پوری امانت داری کے ساتھ محفوظ ہے، خواہ اس کا تعلق سختی و بحران سے ہو، یا خوش حالی اور فراخی سے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آفت وناگہانی حالات ہی میں نہیں بلکہ ہر موقعہ پر دعا کا سہارا لیتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں فروتنی اور عجز وانکسار کا مجسمہ ہوتے تھے۔

اسی وجہ سے آپ کی دعاؤں سے تعلق رکھنے والا ادب، ادبی دنیا کے اندر سب سے زیادہ طاقت ور، اثر انگیز اور دل پذیر نیز حقیقت سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ آپ کا ادب بندگی کے خدوخال اور عبودیت کے نقوش کی ایسی سچی اور دل کش منظر کشی اور ہمہ جہت عکاسی کرتا ہے کہ کسی فن کار آرٹسٹ کی چابک دستی اور کسی بھی قلم کار اور ادیب ماہر کے قلم کی روانی، خواہ وہ اپنے فن میں کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو، اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔

دعا کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ بندے کا اللہ سے تعلق مستحکم ہو جائے، اور اس کو اس بات کا راسخ یقین ہو جائے کہ وہی ایک ذات ہر چیز کی خالق ہے، اور وہی خیر و شر کو برپا کرنے والا ہے، اور وہی سختیوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے، اور وہی خوش حالی و شادمانی، اور فراخی و آسانی عطا کرتا ہے۔

دعا کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام حاجات وضروریات کے ساتھ دست سوال دراز کر دے۔ وہ جب اپنے تمام معاملات میں اللہ کی طرف رخ کرتا ہے، اور اس ذات کو ہر خیر کا مصدر اور ہر خوبی کا سرچشمہ سمجھتا ہے، اور جب ایک مسلمان اپنی مشکلات اور آزمائشوں میں ایک خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کو پختہ یقین ہوتا ہے کہ وہی پریشانیوں کے بادل چھانٹنے والا اور سختیوں کو دور کرنے والا اور آزمائشوں اور سخت گھڑیوں کو ختم کرنے والا ہے، اس وقت اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور اس کے دل کو سکون واطمینان سے بھر دیتی ہے، اور شادکامی وسعادت کے احساس سے وہ بے خود ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہے، اور دست خداوندی اس کا شریک کار ہے، اور رحمت و سکینت کا نزول ہو رہا ہے۔ اور ایک عرب شاعر کی زبان میں وہ یوں گویا ہوتا ہے:

فليتك تحلو والحياة مريرة ... وليتك ترضى والأنام غضاب

وليت الذي بيني وبينك عامر ... وبيني وبين العالمين خراب

إذا صح منك الود فالكل هين ... وكل الذي فوق التراب تراب

(کاش کہ زندگی کی تلخیوں میں آپ شیریں ہوتے، اور آپ کی رضامندی حاصل

ہوتی، خواہ ساری مخلوق ناراض ہوتی۔)

(کاش کہ میرے اور آپ کے تعلقات آباد و استوار ہوتے، جب کہ میرے اور سارے جہاں کے درمیان تعلقات ناہموار ہوتے۔)

(جب آپ کی سچی محبت حاصل ہو جائے تو سب کچھ آسان اور ہیچ ہے، اور زمین کے اوپر جو کچھ بھی ہے، وہ بے قیمت مٹی سے زیادہ کچھ نہیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں اور اذکار کے ذریعے تمام مخلوق خداوندی میں سب سے زیادہ قریب اور گہرا تعلق رکھنے والے تھے، بلکہ آپ کا سارا کلام ذکر اور ساری فکر عبرتوں کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ آپ صحابۂ کرام کو یہ تعلیم فرماتے تھے کہ وہ ہر عمل اور ہر طرح کی سرگرمیوں میں اور ہر موقعے و محل اور ہر طرح کے حالات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دائمی و جاودانی تعلق قائم رکھیں۔ چنانچہ جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو آپ کی دعا میں ادب کا انداز یہ ہوتا:

"اللهم إني اسلمت وجهي إليك، وفوضت امري إليك، وألجأت ظهري إليك، رغبة ورهبة إليك، لا ملجأ ولا منجى منك إلا إليك". (صحيح مسلم، باب ما يقول عندالنوم وأخذ المضجع.)

(اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کیا، اپنے تمام معاملات تیرے سپرد کئے، تجھے اپنا سہارا بنایا، تجھی سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے اور تجھی سے ڈر کر۔ تیرے سوا نہ کوئی جائے پناہ ہے اور نہ مقام نجات ہی ہے"۔)

اور جب رات کے کسی حصے میں آپ کی آنکھ کھلتی، فرماتے:

"لا إله إلا انت سبحانك، اللهم استغفرك لذنبي، وأسألك رحمتك، اللهم زدني علماً، ولا تزغ قلبي بعد إذ هديتني، وهب لي من لدنك رحمة، إنك أنت الوهاب".

(تیرے سوا کوئی معبود نہیں، پاک و بے عیب ذات بس تیری۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش کا طلب گار ہوں۔ تیری رحمت کا سوالی ہوں۔ اے اللہ!

مجھے علمی ترقیاں عطا فرما۔ اور ہدایت سے نوازنے کے بعد کج دلی سے بچالے۔ اور اپنی خاص رحمتوں کے خزانے سے مجھے نواز دے۔ بے شک تو سراپا جود وعطا ہے، اور بہت زیادہ بخشنے اور عطا کرنے والا ہے"۔

جب آپ سو کر اٹھتے تو فرماتے:

"الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور"۔

(رواه الشيخان)

(ساری حمد وستائش اللہ کے لئے ہے، جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا، اور (آخر میں) اٹھ کر اسی کے پاس جانا ہے۔)

اور سند صحیح سے آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

"الدعاء مخ العبادة"۔ (رواه الترمذي)

("دعا عبادت کا لب لباب (روح) ہے"۔)

نیز:

"الدعاء سلاح المؤمن۔"

(دعا مومن کا ہتھیار ہے۔)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ وہ قریب ہے جب بھی دعا کرنے والا اس سے دعا کرتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

"وإذا سألك عبادي عني فإني قريب، أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون"۔

(سورة البقرة:١٨٦)

(جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں (آپ انہیں بتلائیں) کہ میں قریب ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار پر لبیک کہتا ہوں۔ لہٰذا انہیں بھی میری بات ماننی چاہئے اور مجھ پر یقین کرنا چاہئے تاکہ راہ راست پر آجائیں"۔)

قرآن کریم ہی میں ایک دوسرے مقام پر دعا کا حکم دیتے ہوئے، اور اس کو شرف قبولیت سے نوازنے کا وعدہ کرتے ہوئے اور ساتھ ہی اس کی عبادت سے (بوجہ تکبر و ترفع) روگردانی کرنے والوں کی ذلت وخواری کے ساتھ دوزخ کا کندہ بننے کی دھمکی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"وقال ربكم ادعوني استجب لك، إن الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين"۔ (سورۃ الغافر: الآیۃ: ۶۰)

(اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بلا شبہ وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہوئے انحراف کرتے ہیں، وہ جلد ہی ذلت وخواری کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔)

دعا درحقیقت عین عبادت ہے جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الدعاء هو العبادة"۔

(دعا عین عبادت ہے۔)

اسی وجہ سے دعا سے اعراض کرنا دخول جہنم کا سبب ہوگا، اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی دعا کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"ادعوا ربكم تضرعا وخفية، إنه لا يحب المعتدين"۔

(سورۃ الأعراف: الآیۃ: ۵۵)

(اپنے رب کو عاجزی وگریہ زاری کے ساتھ اور چپکے چپکے (تنہائیوں اور رات کی تاریکیوں میں) پکارا کرو۔ وہ سرکشوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔)

ایک دوسری آیت میں ارشاد گرامی ہے کہ کوئی مجبور جب بھی اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا پر لبیک کہتا ہے:

"أمن يجيب المضطر إذا دعاه ويكشف السوء"۔

(سورۃ النحل: الآیۃ: ۶۲)

(یا وہ جو مجبور کی ہر دعا پر لبیک کہتا ہے، اور تکلیف دور کرتا ہے"۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیش تر اپنی دعاؤں میں دنیا و آخرت کی بھلائی اور دوزخ سے حفاظت کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

"اللهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار"۔ (رواه الشيخان)

(اے اللہ! ہمیں دنیا میں (ہر طرح کی) بھلائی عطا فرما، اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز۔ اور آگ کے عذاب سے بچالے"۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اللهم إني أسئلك الهدى والتقىٰ والعفاف والغنى" (رواہ مسلم)

(اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت و تقویٰ اور پاک دامنی و بے نیازی کی درخواست کرتا ہوں۔)

اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللهم يا مصرف القلوب صرف قلوبنا علىٰ طاعتك" (رواہ مسلم)

(اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو پھیر کر اپنی اطاعت و فرماں برداری میں لگادے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

"اللهم اصلح لي ديني الذي هو عصمة امري واصلح لي دنياي التي فيها معاشي، واصلح لي آخرتي التي فيها معادي، واجعل الحياة زيادة لي في كل خير، واجعل الموت راحة لي من كل شر"۔

(اے اللہ! میرا دین بہتر بنادے جو میرے معاملات کا محافظ ہے۔ اور میری دنیا بہتر بنادے جس میں مجھے جینا ہے۔ اور میری آخرت سنوار دے جہاں مجھے واپس جانا ہے۔ اور زندگی کو میرے لئے ہر خوبی و بھلائی میں زیادتی و اضافے کا سبب بنادے۔ اور موت کو ہر شر سے راحت و نجات کا ذریعہ بنادے۔)

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"اقرب ما يكون الرب من العبد في جوف الليل الآخر، فإن استطعت أن تكون ممن يذكر الله في تلك الساعة فكن". (رواه الترمذي، وقال حديث حسن صحيح)

(اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے تیسرے پہر ہوتا ہے، اگر تم ان لوگوں میں سے بن سکو جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں تو ایسا کرلو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے، اور اپنے پروردگار سے کئی کئی گھنٹے مناجات کرتے اور ہم کلام رہا کرتے تھے۔ کتب حدیث کی مختلف روایتوں میں بہت سی دعائیں آئی ہیں۔ جن کے ذریعے آپ درمیان شب اپنے رب سے التجا و فریاد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب درمیان شب نماز کے لئے اٹھتے تو فرماتے:

"اللهم لك الحمد انت نورالسماوات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد انت قيام السماوات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد انت نورالسماوات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد أنت الحق، ووعدك حق، وقولك حق، ولقاء ك حق، والنار حق، والنبيون حق، ومحمد حق، والساعة حق، اللهم لك اسلمت وبك آمنت وعليك توكلت، وإليك انبت، وبك خاصمت وإليك حاكمت، فاغفرلي ما قدمت وما أخرت، وما اسررت وما اعلنت، انت الهي لا إله إلا أنت." (متفق عليه)

(اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمین کا اور اس کی ساری مخلوقات کا نور ہے۔ اور حمد وثنا تیرے ہی لئے ہے۔ آسمانوں اور زمین اور اس میں تمام موجودات تیری ہی ذات سے قائم ہیں۔ اور حمد وثنا تیرے ہی لئے ہے، تو آسمانوں اور زمین اور اس میں تمام موجودات کا نور ہے اور ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا کلام حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، دوزخ حق ہے۔ انبیاء حق ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں، قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کیا، اور تجھی پر ایمان لایا، اور تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف یکسو ہو کر متوجہ ہوا، تیرے سہارے میں نے باطل کی مخالفت کی، اور معاملہ تیری عدالت میں پیش کیا، لہٰذا میرے اگلے پچھلے، ظاہر و باطن سارے گناہ معاف فرمادے، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"قمت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة فقام فقرأ البقرة لا يمر بآية رحمة إلا وقف وسأل ولا يمر بآية عذاب إلا وقف وتعوذ، قال: ثم ركع بقدر قيامه يقول في ركوعه: سبحان ذى الجبروت والملكوت والكبرياء والعظمة، ثم قال في سجوده مثل ذلك".

"میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے قیام فرمایا، اور سورۂ بقرہ اس طرح تلاوت فرمائی کہ ہر آیت رحمت پر ٹھہر جاتے، اور دعا کرتے، اور ہر آیت عذاب پر وقفہ فرما کر پناہ مانگتے، پھر آپ نے یہ دعا پڑھتے ہوئے بقدر قیام رکوع فرمایا: پاک ذات ہے وہ جس کو مکمل طاقت وتسلط، پوری بادشاہت اور ہر طرح کی عظمت وبڑائی حاصل ہے، پھر سجدے میں بھی اسی طرح فرمایا۔"

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:

"فقدت النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة من الفراش فوقعت يدي على بطن قدميه، وهوفي المسجد، وهما منصوبتان وهو يقول: اللهم إني اعوذ برضاك من سخطك و بمعافاتك من عقوبتك واعوذبك منك، لا أحصي ثناء أ عليك انت كما اثنيت على نفسك." (متفق عليه)

(میں نے ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا تو میں نے آپ کو تلاش کیا، آخر میرا ہاتھ آپ کے قدموں کے درمیان پڑ گیا۔ آپ حالت سجدہ میں تھے۔ اور دونوں پیر (انگلیوں پر) ایستادہ تھے۔ اور آپ یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تیری خوشی کے ذریعہ تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں، اور تیرے عفو و درگزر کے ذریعے تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں، اور تیرے ذریعے تجھ سے پناہ چاہتا ہوں، تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ آپ ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی تعریفات بیان کی ہیں۔)

انہیں سے مروی ہے، فرماتی ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو في الصلوة فيقول: اللهم إني اعوذ بك من عذاب القبر، واعوذ بك من فتنة المسيح الدجال، واعوذبك من فتنة المحيا والممات، اللهم إني اعوذ بك من المأثم والمغرم، فقال له قائل: ما اكثر ما تستعيذ من المغرم!؟ فقال: وإن الرجل إذاغرم حدث فكذب ووعد فأخلف".

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں تیرے ذریعے قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں، اور تیرے ذریعے مسیح دجال کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں، اور تیرے ذریعے میں موت و زیست کے فتنے سے پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں تیرے ذریعے گناہ اور تاوان سے پناہ چاہتا ہوں، ایک شخص نے

عرض کیا: آپ تاوان سے کس قدر پناہ مانگتے ہیں؟! آپ نے فرمایا: جب کسی شخص پر تاوان واجب ہوتا ہے تو وہ اپنی گفتگو میں جھوٹ بولتا ہے، اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں یہ دعا بھی شامل تھی، جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

"لا إله إلا الله العظيم الحليم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله إلا الله رب السماوات ورب العرش الكريم".

(رواه مسلم)

(خدائے بزرگ و بردبار کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مالک عرش عظیم اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ مالک سماوات وصاحب عرش کریم اللہ کے بجز کوئی لائق عبادت نہیں۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم ترین مسئلہ درپیش ہوتا تو فرماتے:

"يا حي يا قيوم برحمتك استغيث".

(اے ازلی ابدی زندگی وسرپرستی والے تیری رحمت کی دہائی دیتا ہوں۔)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: کسی بھی بندے کو کوئی فکر یا رنج لاحق ہوتا ہے پھر وہ دعا کرتے ہوئے عرض کرتا ہے:

"اللهم إني عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتي بيدك، ماض في حكمك، عدل في قضائك، اسئلك بكل اسم هو لك، سميت به نفسك أو أنزلته في كتابك أو علمته أحدا من خلقك أو استأثرت به في علم الغيب عندك، أن تجعل القرآن ربيع قلبي ونور صدري، وجلاء حزني وذهاب همي، إلا اذهب الله همه وحزنه وأبدله مكانه فرجا". (أخرجه أحمد في مسنده وابن حبان في صحيحه)

(اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندہ کا بیٹا ہوں۔ اور تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ میرے سلسلے میں تیرا حکم جاری وساری ہے، میرے متعلق تیرا فیصلہ منصفانہ ہے، میں تجھ سے ہر اس نام کے واسطے سے جو تیرے لئے مخصوص ہے۔ جس سے اپنے آپ کو موسوم کیا، یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا، یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا، یا علم غیب میں اپنے لئے محفوظ رکھا۔ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن مجید کو میرے دل کا نگہبان، میرے سینے کا نور بنادے، اور میرے رنج کے دفعیے اور فکر کے خاتمے کا سبب بنادے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کے فکر ورنج کو دور فرما کر سرور وکشائش سے بدل دیتے ہیں۔)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دشمن یا صاحب اقتدار سے خطرہ درپیش ہوتا، تو اللہ تعالیٰ سے آپ دعا فرماتے اور مدد ونصرت کے طلب گار ہوتے اور اس کے شر سے خدا کی پناہ چاہتے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو فرماتے:

"اللهم إنا نجعلك في نحورهم ونعوذبك من شرورهم".
(أخرجه أبوداؤد والنسائي)

(اے اللہ! ہم تجھ کو (تیرے خوف وہیبت کو) ان کے سینوں میں ڈالتے ہیں، اور ان کے شرور سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔)

اور دشمن سے مقابلے کے وقت فرماتے:

"اللهم أنت عضدي، وأنت نصيري، بك اجول وبك اصول وبك أقاتل".

(اے اللہ! تو ہی میرا سہارا ہے، تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے ہی سہارے میری جولانیاں اور حملے ہیں، اور تیرے ہی بل پر میری جنگ ہے"۔)

اور ایسے موقعوں پر جب کسی کو شیطانی خطرات درپیش ہوں، وہ دعا پڑھنی چاہیے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

"أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزة نفثه ونفخه لقول الله عز وجل: وإما ینز غنك من الشیطان نزغ فاستعذ بالله إنه هو السمیع العلیم".

(ہر چھوٹی بڑی چیز کو) سننے اور جاننے والے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ شیطان مردود سے اور اس کے منتر اور پھونک کے اثرات سے۔ کیوں کہ اللہ کا ارشاد ہے: اور شیطان کی طرف سے کوئی کچوکا (اثر) تم کو محسوس ہو، تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔ بے شک وہی سننے جاننے والا ہے۔)

اور جب بندے پر خدا کی کوئی نوازش ہو تو اس کو کہنا چاہئے:

"ما شاء الله لا قوة إلا بالله".

(جو اللہ چاہے (ہوتا ہے (سرچشمۂ قوت صرف اللہ کی ذات ہے)

حضرت انس بن مالکؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ما أنعم الله نعمة على عبد في أهل ومال و ولد فقال: ما شاء الله لا قوة إلا بالله فلا یریٰ فیها آفة دون الموت".

(جب بھی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی انعام فرماتا ہے، اور وہ ماشاء اللہ لاقوۃ إلا باللہ کہتا ہے، تو موت کے علاوہ اس پر کوئی آفت نہیں دیکھے گا۔)

"وعنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان إذا رأى ما یسره قال: الحمد لله الذي به تتم الصالحات وإذا رأى ما یسوء ه قال: الحمد لله على كل حال".

(اور انہیں سے آپ کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ، جب آپ کوئی خوش کن چیز دیکھتے تو فرماتے: ساری تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں، جن کے ذریعے نیکیاں درجۂ کمال تک پہونچتی ہیں۔ اور جب کوئی تکلیف دہ چیز نظر آتی تو

فرماتے: ہر حال میں اللہ کا شکر ہے)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض دار کو قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں دعا تعلیم فرمائی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ان مكاتبا جاء ه فقال له إني عجزت عن كتابتي فاعني!، قال: ألا اعلمك كلمات علمنيهن رسول الله صلى الله عليه وسلم، لو كان عليك مثل جبل ديناً اداه الله تعالىٰ عنك، قل: اللهم اكفني بحلالك عن حرامك، واغني بفضلك عن من سواك". (رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن)

(ایک مکاتب غلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: میں اپنی آزادی کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہوں، میری مدد فرمایئے!....آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے کلمات (دعا) نہ سکھلادوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھائے ہیں۔ اگر پہاڑ کے برابر بھی تم پر قرض ہوگا، تو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ادا فرمائے گا۔ یہ دعا پڑھ لیا کرو: "اے اللہ حرام سے دور رکھ، مال حلال کے ذریعہ میری ضروریات پوری فرما۔ اور اپنے فضل وکرم سے مالا مال فرما کر حرام سے دور اور اپنے سوا دوسروں سے مجھے بے نیاز کردے"۔

اور جب آندھی چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت فرمایا:

"اللهم إني أسئلك خيرها وخير ما أرسلت به، وأعوذ بك من شرها وشر ما فيها، و شر ما أرسلت به". (رواه مسلم)

(اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو اس کے اندر ہے اس کی بھلائی اور جن چیزوں کے ساتھ اس کو چلایا ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں۔ اور اس کے شر اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے شر سے، اور جن چیزوں کے ساتھ اس کو چلایا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

اور جب بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سنتے تو فرماتے:

"اللهم لا تقتلنا بغضبك ولا تهلكنا بعذابك، وعافنا قبل ذلك". (أخرجه الترمذي عن عبدالله بن عمر)

(اے اللہ! مجھے اپنے غضب کا شکار مت بنائیو، اور نہ اپنے عذاب کے ذریعے ہلاک کیجئے۔ اور اس سے پہلے پہلے عفو وعافیت سے نوازیو۔)

جب آپ پہلی تاریخ کا چاند دیکھتے تو فرماتے:

"الله أكبر! اللهم أهله علينا بالأمن والإيمان والسلامة والإسلام والتوفيق لما تحب و ترضى، ربنا وربك الله". (أخرجه الدارمي عن عبدالله بن عمرؓ)

(اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! اسے ہم پر امن اور ایمان کے ساتھ سلامتی اور اسلام اور ان اعمال کی توفیق کے ساتھ طلوع فرما، جو آپ کو پسند ہیں اور جن سے آپ خوش ہوتے ہیں۔ ہمارا اور تیرا رب اللہ ہے۔)

اور جب افطار فرماتے کہتے:

"اللهم لك صمنا وعلى رزقك أفطرنا فتقبل منا، إنك أنت السميع العليم". (رواه ابن عباسؓ)

(اے اللہ! ہم نے تیرے لئے روزہ رکھا، اور تیرے رزق سے افطار کیا، لہٰذا ہمارے روزے قبول فرمالے۔ بے شک تو سننے اور جاننے والا ہے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے اور اپنے اونٹ پر اطمینان سے بیٹھ جاتے، تین مرتبہ "اللہ اکبر" فرماتے اور یہ دعا کرتے:

"سبحان الذي سخرلنا هذا وما كنا له مقرنين، وإنا إلى ربنا لمنقلبون، اللهم إنا نسئلك من سفرنا هذاا البر والتقوىٰ ومن العمل ما ترضى، اللهم هون علينا سفرنا هذا واطوعنا بعده، أنت الصاحب في السفر والخليفة في

الأهل۔ اللهم إني أعوذبك من وعثاء السفر وكآبة المنظر وسوء المنقلب في المال والأهل۔ وإذا رجع من السفر قالهن وزاد فيهن (آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون)"۔

(رواه مسلم عن عبدالله بن عمرؓ)

(پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر کیا، اور قابل استفادہ بنایا جب کہ ہم اس پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ اور ہم سب کو اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اور اے اللہ! ہم اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ اور تیرے لئے پسندیدہ عمل کے خواست گار ہیں۔ اے اللہ! یہ سفر ہمارے لئے آسان فرما، اور اس کی دوری کو سمیٹ دے۔ تو ہی سفر کا ساتھی اور گھر کا جانشیں ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی دشواری، پریشان کن منظر اور مال اور اہل وعیال کے سلسلے میں برے انجام سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور جب سفر سے واپس ہوتے یہی دعا فرماتے۔ نیز اتنا اضافہ فرماتے: ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں۔ اسی کی عبادت اور حمد بیان کرتے ہیں۔)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بھی کسی ایسی بستی پر نظر پڑتی جس میں آپ جانا چاہتے تو آپ یہ دعا فرماتے:

"اللهم رب السموات السبع وما أظللن، ورب الأرضين وما اقللن، ورب الشياطين وما أضللن، ورب الرياح وما ذرين، أسئلك خير هذه القرية وخير أهلها، وخير ما فيها، وأعوذبك من شرها وشر أهلها وشر ما فيها"۔ (رواه النسائي وغيره)

(اے ساتوں آسمانوں اور جس پر ان کا سایہ ہے کے پروردگار! اور زمینوں اور جو کچھ ان کی پشت پر ہیں اس کے پروردگار! اور شیطانوں اور ان کے گمراہ کردہ لوگوں کے پروردگار! اور ہواؤں اور جس کو انہوں نے اڑایا اس کے پروردگار! میں تجھ سے اس بستی کی خوبی اور اس میں رہنے والوں کی خوبی اور جو کچھ بھی اس میں ہے اسکی

خوبی کا خواست گار ہوں، اور میں اس کے شر سے اور وہاں کے باشندوں کے شر سے، اور اس میں موجود تمام چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر فرماتے اور رات ہو جاتی تو فرماتے:

"یا أرض! ربي وربك الله، أعوذ بالله من شرك و شر ما فيك وشر ما خلق فيك وشر ما يدب عليك. أعوذ بالله من أسد وأسود ومن الحية والعقرب ومن ساكن البلد ومن والد وما ولد". (أخرجه أبوداؤد عن عبدالله بن عمرؓ)

(اے سرزمین! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ میں تیرے شر سے، تیرے اندر موجود چیزوں کے شر سے، تیرے اندر کی مخلوقات کی شر سے، تیری پشت پر رینگنے والی ہر شے کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور میں شیر، ناگ، سانپ اور بچھو سے، شہر کے باشندوں اور جننے والے اور جنے ہوئے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا اپنے سے قریب فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

"بسم الله".

(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔)

اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو فرماتے:

"اللهم أطعمت وأسقيت وأغنيت وأقنيت وهديت وأحييت فلك الحمد على ما أعطيت".

(اے اللہ! تو نے کھلایا، تو نے پلایا، تو نے بے نیاز کیا، تو نے مطمئن اور مگن کیا، تو نے ہدایت دی، تو نے زندگی عطا کی۔ لہٰذا جس چیز سے بھی نوازا تو ہی لائق حمد و شکر ہے۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے:

"الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين"۔

(رواه أبوداؤد والترمذي)

(ساری تعریفیں اس اللہ کی جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دعوت میں تشریف لے جاتے تو کھانا تناول فرمانے کے بعد مہمان نواز کے حق میں خدا سے دعا کرتے اور برکت وقبولیت طلب فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لائے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں روٹی اور زیتون کا تیل پیش کیا، آپ نے تناول فرمایا اور یہ دعا کی:

"أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة"۔ (رواه أبوداؤد)

(تمہارے یہاں روزے دار افطار کریں۔ نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں۔ اور فرشتے تمہارے حق میں دعا کریں۔)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمائی اور چھینک کے بارے میں فرمایا:

"إن الله يحب العطاس ويكره التثاؤب وقال: إذا عطس أحدكم وحمد الله كان حقاً على كل مسلم سمعه أن يقول: يرحمك الله، وأما التثاؤب فإنما هو من الشيطان، فإذا تثاء ب أحدكم فليرده مااستطاع فإن أحدكم إذا تثاء ب ضحك منه الشيطان"۔ (رواه البخاری عن أبی هريرة)

(بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے، اور جمائی کو ناپسند۔ اور فرمایا، تم میں سے کسی کو جب چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو ہر اس مسلمان پر جو سنے، ضروری ہوجاتا ہے کہ یرحمک اللہ کہے۔ اور جمائی اصلاً شیطانی فعل ہے، اس لئے جب کسی کو جمائی آئے، حتی الامکان اس کو روکے، کیوں کہ جب کسی کو جمائی آتی ہے تو اس

پر شیطان ہنستا ہے۔)

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار تشریف لے جاتے، تو فرماتے:

"بسم الله اللهم إني أسئلك من خير هذه السوق، وخير ما فيها، وأعوذ بك من شرها وشر ما فيها، اللهم إني أعوذبك أن أصيب فيها يميناً فاجرة أو صفقة خاسرةً۔ (أخرجه الترمذي)

(اللہ کے نام کے ساتھ (بازار میں داخل ہوتا ہوں) اے اللہ! میں اس بازار کی، اور اس میں موجود اشیاء کی بہتری طلب کرتا ہوں، اور اس کے اور اس میں موجود اشیاء کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! میں جھوٹی قسم اور نقصان دہ سودے سے دوچار ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

اسی طرح جب جب آپ آئینے میں اپنا رخ انور دیکھتے تو دعا کرتے:

"الحمد لله الذي سوىٰ خلقي فعدله وكرم صورة وجهي فحسنها وجعلني من المسلمين"۔ (رواه أنسؓ)

(ساری تعریفیں اس اللہ کی جس نے مجھے ٹھیک، درست، اور متناسب الأعضا بنایا، اور میری شکل وصورت قابل احترام اور خوب صورت بنائی، اور مجھے مسلمانوں کے زمرے میں شامل کیا۔)

اور آپ کی جامع دعاؤں میں وہ دعا بھی شمار ہوتی ہے۔ جسے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اللهم اغفرلي خطيئتي وجهلي وإسرافي في أمري وما أنت أعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر وأنت على كل شيئ قدير"۔ (متفق عليه)

(اے اللہ! میری خطا، میری نادانی، معاملات میں میرا اسراف اور وہ تمام چیزیں جس سے آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں، بخش دیجئے، آپ ہی اول آپ ہی آخر

ہیں۔اور آپ ہی ہر چیز پر قادر ہیں۔)

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اللهم إني أعوذبك من العجز والكسل والبخل والهرم وعذاب القبر، اللهم آت نفسي تقواها وزكها أنت خير من زكها أنت وليها ومولها، اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع، ومن قلب لا يخشع، ومن نفس لا تشبع، ومن دعوة لا يستجاب لها۔"

(اے اللہ! میں بے بسی، سستی، بخل، پیری اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! مجھے قلب کا تقویٰ نصیب فرما، اور اس کا تزکیہ فرما۔ تو ہی بہترین تزکیہ نفس کرنے والا ہے تو ہی اس کا کارساز و مالک ہے۔ اے اللہ! میں علم غیر نافع اور رقت وزاری سے خالی دل اور نفس ناآسودہ اور دعائے غیر مقبول سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برے اور متعدی امراض واعذار سے بھی پناہ طلب فرمایا کرتے تھے، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

"اللهم إني أعوذ بك من البرص والجنون والجذام وسيئ الأسقام"۔

(اے اللہ! میں تجھ سے برص، دیوانگی اور جذام اور تمام بری بیماریوں سے پناہ چاہتا ہوں۔)

اسی طرح آپ بھوک اور خیانت سے بھی پناہ مانگتے، چنانچہ آپ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق فرماتے تھے:

"اللهم إني أعوذ بك من الجوع فإنه بئس الضجيع وأعوذ بك من الخيانة فإنها بئست البطانة"۔

(اے اللہ! میں تیرے ذریعے بھوک سے پناہ چاہتا ہوں کہ وہ بدترین ہم بستر

ہے۔اور خیانت سے پناہ چاہتا ہوں کہ وہ بدترین ہم راز ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اللهم إني أسئلك موجبات رحمتك، وعزائم مغفرتك، والسلامة من كل إثم، والغنيمة من كل بر والفوز بالجنة والنجاة من النار". (رواه الحاكم وقال حديث صحيح على شرط مسلم)

(اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں کی درخواست کرتا ہوں، جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی اور تیری مغفرت کو یقینی بنانے والی ہیں، اور ہر گناہ سے سلامتی اور بغیر لاگت کے ہر نیکی اور جنت سے سرفرازی اور دوزخ سے خلاصی کی درخواست کرتا ہوں۔)

اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید میں وارد دعاؤں کا پابندی سے التزام فرمایا کرتے تھے۔اپنے پروردگار سے بکثرت دعا فرماتے اور آپ کے قلب میں رقت پیدا ہو جاتی اور آپ اس کی پوری مداومت فرماتے اس لئے کہ آپ اللہ کے صحیح معنوں میں لرزاں و ترساں بندے تھے، آپ نے جتنی دعائیں خود کی ہیں یا لوگوں کو تلقین فرمائیں ان میں شان بندگی و عبودیت انتہائی مؤثر انداز اور بھرپور معانی کے ساتھ جھلکتی ہے، ذرا دیکھئے طائف میں جب کہ لوگوں نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے اور انتہائی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ انداز سے آپ کے ساتھ پیش آرہے ہیں، آپ اپنے پروردگار کے روبرو کس طرح فریاد کر رہے ہیں:

" اللهم إليك أشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس. يا أرحم الراحمين! أنت رب المستضعفين! أنت ربي! إلى من تكلني؟ إلى بعيد يتجهمني أم إلى عدو ملكته أمري!؟ إن لم يكن بك غضب علي فلا أبالي، غير أن عافيتك هي أوسع لي، أعوذ بنور وجهك الذي أشرقت له الظلمات، وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة من أن ينزل بي غضبك أو أن يحل علي سخطك، لك العتبىٰ حتى ترضىٰ،

ولا حول ولا قوة إلا بك"۔

(اے اللہ! میں صرف تجھ سے اپنی ناتوانی، بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کے سامنے اپنی ذلت بیان کر رہا ہوں، یا ارحم الراحمین! تو، کمزوروں کا رب ہے، تو ہی میرا رب ہے، مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ ایک اجنبی کے، جو ترش روئی کا معاملہ کر رہا ہے، یا کسی دشمن کے، جسے مجھ پر قابو دے رکھا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں، البتہ تیری عافیت میرے حق میں سبب کشائش ہے۔ تجھ سے تیرے نور کے واسطے سے جس سے تاریکیاں روشنی میں بدل گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیری ناراضگی مجھ پر اترے یا تیرے غصے کا شکار بنوں۔ تیری خوشی و رضامندی مطلوب ہے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، تجھے چھوڑ کر نہ کوئی تدبیر ہے نہ طاقت۔)

اور میدان عرفات میں آپ کی دعا یوں تھی:

"اللهم إنك تسمع كلامي و ترى مكاني وتعرف سري وعلانيي، لا يخفىٰ عليك شيئى من أمري، انا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقر المعترف بذنبه۔ أسئلك مسئلة المسكين، وابتهل إليك ابتهال المذنب الذليل، وادعوك دعاء الخائف الضرير، دعاء من خضعت لك رقبته، وفاضت لك عبرته وذل لك جسمه ورغم لك انفه۔ اللهم لا تجعلني بدعائك شقيا، وكن لي رؤوفاً رحيماً يا خير المسئولين و يا خير المعطين!!"۔

(اے اللہ! تو میری باتیں سن رہا ہے، میری جائے وقوف تیری نگاہوں میں ہے، میرے ہر باطن سے تو واقف ہے، میری کوئی چیز تجھ سے اوجھل نہیں۔ میں سراپا احتیاج و بے مایہ، مدد کا طلب گار پناہ کا سوالی، ڈرا، سہما، اپنے گناہ کا

اعتراف واقرار کرتا ہوں۔ میں تجھ سے بے کسوں اور شکستہ دل لوگوں کی طرح درخواست کرتا ہوں۔ میں تیرے حضور گنہ گار رسوا کی طرح گریہ وزاری کرتا ہوں، اور میں تجھ سے ڈرے، لٹے، نقصان زدہ شخص کی طرح دعا کرتا ہوں، اس شخص کی دعا جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو، اور جس کے آنسو زار و قطار تیرے خوف سے بہہ رہے ہوں، اور جس کا سر وقد تیرے سامنے رسوا ہو اور جس کی ناک تیرے لئے خاک میں مل چکی ہو۔ اے اللہ! مجھے اپنی دعا میں مطلوب سے محروم مت کیجئے۔ اے بہترین ذات جس سے درخواست کی جائے اور سب سے بہترین نوازنے والے میرے حق میں رؤوف رحیم ہو جایئے۔)

یہ ذکر و دعا سے متعلق ادب کا ایک سرسری جائزہ ہے نہ کہ استیعاب، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف لمحات میں نمایاں ہے، اور جس کا آپ نے بڑا اہتمام فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اور لوگوں کا معلم سمجھتے تھے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ لہٰذا آپ نے ایک ایک گھڑی اس کا اہتمام فرمایا اور تاکید فرمائی کہ ایک مسلمان سب سے پہلے خدا کا ایک بندہ ہے۔

لہٰذا اپنے پروردگار کے سامنے اپنی عبودیت کو کسی حال میں نہ بھولے اور ہمیشہ، ہر آن اللہ کے ذکر میں مشغول و رطب اللسان رہے۔ شب و روز، صبح و شام خوشی اور غمی، آزمائش و کشائش، گھر، مسجد، کاموں، ملازمتوں، اہل و عیال، دوستوں و ہم نشینوں زندگی کے اندرون و بیرون، صحت و مرض، سفر و حضر، گویا کہ زندگی کے تمام لمحات میں یہ معمول بنا لے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق کا راستہ ہموار کر دیا جس میں انسان اپنے تمام رازہائے سربستہ اس کے سامنے واشگاف کر دیتا ہے، اور اپنے پروردگار کے حضور پیش ہو کر وہ اپنی تمام آرزوؤں، تمناؤں، رنج والم اور خوابوں کی تعبیر طلب کرتا ہے۔ کبھی سرگوشی میں، کبھی گریہ وزاری کے انداز میں، کبھی ظاہر و باطن کے تواضع و تذلل کے ساتھ، کبھی عاجزی و فروتنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اور وہ اس طرح اپنی بندگی و عبودیت، تواضع و انکساری اور

اس کے حکم اور فیصلے کے آگے سپر اندازی کا اعلان کرتا ہے۔

کیا ہی خوب و مناسب ہوگا کہ اس وقت جب کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ادب کے موضوع پر اس مقالے کی آخری کڑی تک پہونچ چکے ہیں، ہم اپنی گفتگو سب سے بہترین دعا پر ختم کریں، جو بذات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تلاوت قرآن کا اہتمام کرنے والے ہر مسلمان کا معمول رہی ہے۔ لہٰذا بارگاہ ایزدی میں ہم کلام الٰہی میں وارد اس دعا کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں:

"ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا، وهب لنا من لدنك رحمة إنك أنت الوهاب"۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

"ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلاً للذين آمنوا، ربنا إنك رؤوف رحيم"۔

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ آله وصحبه وبارك وسلم۔

☆☆☆

ہندوستان میں

عربی زبان میں فن سیرت نگاری کا ارتقاء

سیرت نبوی اور انسانیت پر اس کا ناقابل فراموش احسان

ہندوستان میں ان مؤرخین اور قلم کاروں کی تعداد بے شمار ہے، جنہوں نے سیرت نبوی کو اپنا موضوع بنایا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اس کے خط و خال کو پوری امانت کے ساتھ محفوظ رکھنے کی کوششیں کیں، اور اس سلسلے میں حسن تعبیر اور آپ کی سیرت مبارکہ کی سچی تصویر کشی اور اس کی عکاسی کا زبردست التزام کیا۔ بلاشبہ یہ عظیم عمل دنیا کے مسلمانوں پر ایک بڑا احسان ہے، جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی شکل میں ایک ایسا زندہ مرقع حیات پیش کیا ہے، جس میں لوگوں کو وہ باتیں بھی نظر آئیں جو ان کے وہم وگمان سے پرے اور ان کے تصور و خیال سے بہت دور تھیں، اس سیرت طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہمہ گیر و بے نظیر تصویر موجود ہے، جو الہام سماوی اور وحی الٰہی کی آئینہ دار ہے۔ کیوں کہ وہ آپ ہی کی ذات گرامی تھی، جس نے زمین کا رشتہ آسمان سے جوڑا دین و دنیا کا حسین امتزاج پیش کر کے اہل باطل کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ بت پرستوں، نجومیوں، کاہنوں اور اوہام و خرافات کے اسیروں کے عقائد پر ضرب کاری لگائی اور یہ اعلان کیا کہ خاکی صفت انسان رب السماوات والارض سے اپنا تعلق بلا کسی واسطے کے قائم کر سکتا ہے۔ اس راستے میں اسے کسی سفارش اور واسطے کی ضرورت نہیں۔

یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اپنی ہمہ گیری و وسعت کے اعتبار سے ایسے

پہلوؤں پر حاوی ہے، جن کے بیان کرنے سے زبان وقلم قاصر ہیں۔

سفینہ چاہئے، اس بحر بیکراں کے لئے

بڑے سے بڑا شخص بھی اس پیشین گوئی کی جرأت نہیں کرسکتا تھا کہ اس صفحۂ ہستی پر کوئی عظیم انقلاب برپا ہونے والا ہے، یا کسی نئی تبدیلی کا کوئی امکان ہے کیونکہ فساد اپنے عروج کو پہونچ چکا تھا۔ جس کی وجہ سے انفرادی واجتماعی زندگی کا نظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ ہر شعبۂ حیات میں ظلم وستم، خوں ریزی وسفاکی، آوارہ گردی وبدچلنی اور اخلاقی انارکی کا دور دورہ تھا، شمس وقمر، زمین وآسمان ایک دوسرے کو حیرت سے تک رہے تھے۔ انسانیت دم توڑ رہی تھی۔ الغرض پورا گلشن ارضی ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔

لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دفعتاً ایک ایسا انقلاب آیا، جس نے ہر شخص کو انگشت بدنداں کر دیا۔ کیوں کہ اس سے انسانیت، شرافت، حیا و مروت، خودداری وعزت نفس اور اخلاقی قدروں کو نئے سرے سے زندگی ملی۔

یہ انقلاب انسانی تصورات اور مادی قیاس آرائیوں سے بہت دور تھا، اس نے ہر شخص کو حیران وششدر کر دیا تھا، اس لئے اہل قلم نے اس انقلاب کو روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اس انقلاب عظیم کا ظہور اس شخص کے ہاتھوں ہوا، جو ایک خاموش طبع انسان تھا، جو زندگی کی نیرنگیوں اور معاشرے کی بوقلمونیوں سے بہت دور تھا، وہ نسلی وقبائلی خانہ جنگیوں اور معاشرے کی معرکہ آرائیوں سے بالکل الگ تھلگ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی

جب میں آیت کریمہ: "وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين" پر غور کرتا ہوں کہ اس میں آخری نبی کی بعثت کی شکل میں لفظ "رحمۃ" میں ایسا عموم ہے جو ساری کائنات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے تو بے ساختہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی پیغمبر کہہ کر پکارتا ہوں، کہ آپ ایسی رحمت لے کر اس دنیا میں تشریف لائے جس میں زمان ومکان کی کوئی حد بندی

نہیں، فقیر وامیر کا کوئی امتیاز نہیں، شاہ وگدا کی کوئی تفریق نہیں۔ آپ پر نازل شدہ کتاب کا وجود خود اپنی جگہ پر باعث رحمت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ''وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين'' (ہم نے آپکو سارے جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔ یہ کلام اس خلاق ازل کا ہے، جس کے فیصلے بڑے محکم، بڑے اٹل ہوا کرتے ہیں، اس میں تغیر وتبدل کی کبھی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی رسالت:

مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے جب میں رحمت کے پیکر مجسم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر سیرت کا مطالعہ کرتا ہوں تو اپنے آپ کو آپ کی توصیف بیان کرنے اور آپ کے ذات طیبہ میں موجود حقائق اجاگر کرنے سے قاصر پاتا ہوں۔

مختصراً یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ عالم اپنے بقاو تسلسل اور اپنے تمام علمی وعملی، تمدنی وثقافتی آثار کے وجود میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت طیبہ کا رہین منت ہے۔ اور انسانیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی رسالت اور ربانی دعوت کے احسانات کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہ ہوتی تو آج کسی انسان کی عظمت وبلندی اور اس کی سرگرمی کا پتہ بھی نہ ہوتا۔ وہ کبھی بھی ذلت کی بیڑیوں اور غلامی کی زنجیروں سے آزاد نہ ہو پاتا۔ شرک وبت پرستی، ظالمانہ طبقاتی نظام اور خاندانی ونسلی عصبیتوں سے اس کا دامن پاک نہ ہو پاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے بندوں پر احسان فرمایا، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا، اور زبان نبوت کے ذریعے برابری و مساوات کا یہ حسین درس دیا:

> ''سارے انسان برابر ہیں، جس طرح کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر تقویٰ کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے کوئی برتری نہیں''۔

انسانی مساوات کی کارفرمائی:

یہ اعلان نبوی اگر ایک طرف خودساختہ فخر وامتیازات کی بلند بام عمارت پر ضرب کاری تھا، تو دوسری طرف تمام بنی نوع انسان کے درمیان ایک ایسی مساوات کا اعلان تھا، جس کا مشاہدہ تاریخ انسانی نے پہلی بار کیا تھا۔ اسی کے ساتھ اس میں رب کائنات سے تعلق پیدا کرنے پر تاکید بھی تھی، وہ یہ کہ انسان ہر چھوٹی بڑی بات، اہم وغیر اہم کام میں خدا ہی کا سہارا لے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے تصور سے بیگانہ اور اس کے ذکر وفکر سے بے نیاز ہوکر زندگی کی کوئی سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔ سعادت کا انحصار تو صرف ربط الٰہی اور تعلق خداوندی پر ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اس کا کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے غفلت میں نہ گزرے۔ بلاشبہ انسان کا یہ تصور کہ اللہ کا علم ہر شے پر محیط ہے، اور وہ ہر بات سے باخبر ہے۔ اس کو تمام معاملات میں ایسا چوکنا اور محتاط بنا دیتا ہے جس کا اثر اس کے فکر وعمل پر بھی پڑتا ہے۔ پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاشرے کے اندر راحت وسکون، عدل وانصاف، امانت ودیانت، ایثار وخیر خواہی اور سچائی وراست بازی کے وہ مظاہر سامنے آتے ہیں، جن کا انسان طالب ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری میں مسلمانوں کا کردار:

سیرت نبوی کے عشاق اور اس سے محبت وتعلق رکھنے والے علماء، مؤرخین، اور سوانح نگاروں نے ہر دور میں مختلف طریقوں سے اپنا اپنا خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

کبھی تو انہوں نے نثر کی شکل میں علم وادب اور تصنیف وتالیف کی شاخوں پر نغمہ سنجی کی، تو کبھی اشعار کے چمن سدا بہار سے کلیاں توڑ توڑ کر اپنا دامن بھرا، سوز وگداز میں ڈوبے ہوئے نعتیہ کلام کہہ کر انہوں نے علم وادب کے ایک ایسے بیش بہا خزینے اور گنجینے تک رسائی حاصل کی، جس نے ان کی سوزش محبت کو سکون اور مضطرب دل کو قرار بخشا۔

یقیناً سیرت نبوی پر دنیا کی ہر زبان ونظم ونثر میں اتنا لکھا گیا کہ اس موضوع نے ادب کی ایک خاص صنف ''فن سیرت نگاری'' کی شکل اختیار کرلی۔

اس صنف میں مسلمانوں نے اپنے جذبات واحساسات کا اظہار ایسے والہانہ وعاشقانہ انداز سے کیا ہے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

سیرت نگاری میں مسلمانان ہند کا کردار:

اس میں کوئی شک نہیں کہ فن سیرت نگاری سے وابستگی اور اس میں وسعت پیدا کرنے میں مسلمانان ہند کا بڑا اہم رول رہا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر ہندوستان کی مختلف زبانوں میں قلم اٹھایا۔ اور بہت کچھ لکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں انہوں نے بڑے دل آویز قصیدے کہے۔

یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ عربی زبان کے نعت گو شعراء کے مقابلے میں ہمارے ہندوستانی شعراء کی تعداد بہت کم ہے، تاہم اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستانی علمائے کرام نے سیرت نگاری کے موضوع پر عربی زبان میں ایک گراں قدر ذخیرے کا اضافہ کیا ہے۔

دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم دین عبدالقادر بن شیخ حضرمی گجراتی (پیدائش: ۹۷۸ھ) نے اس موضوع پر عربی زبان میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں: مثلاً:

(١) الحدائق الخضرة في سيرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه العشرة.

(٢) إتحاف الحضرة العزيزة بعيون السيرة الوجيزة.

(٣) المنتخب المصطفىٰ في أخبار مولد المصطفىٰ.

(٤) المنهاج إلى معرفة المعراج.

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ایک فاضل استاد ڈاکٹر صلاح الدین عمری نے اپنے ایک مقالے میں ہندوستان میں سیرت کے موضوع پر عربی قلم کاروں کا بہترین جائزہ پیش کیا ہے۔ معیار بحث بڑا علمی وتحقیقی ہے۔ البعث الاسلامی جلد ۴۲ شمارہ ۴و۵ میں اسے شائع بھی کیا گیا ہے۔

بیسویں صدی کے ہندوستانی علماء کی سیرت نگاری کا ایک مختصر جائزہ:

اس مختصر سے مقالے میں سیرت کی قدیم کتابوں پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ موجودہ صدی کی بعض ان کتابوں کا مختصر تعارف پیش کرنے کا ارادہ ہے، جو عربی زبان میں لکھی گئیں، یا عربی ترجمے کے ذریعے منتقل ہوئیں۔

اس سلسلۃ الذہب کی سب سے پہلی کڑی مشہور سیرت نگار نبوی علامہ شبلی نعمانیؒ اور آپ کے نابغہ روزگار تلمیذ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مایۂ ناز تصنیف ''سیرۃ النبیؐ'' ہے۔ یہ کتاب سات ضخیم جلدوں میں ہے۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہے۔ عموماً ہندوستان کے سبھی علمی وادبی حلقوں میں اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے متعلق بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب سیرت نبویؐ کے موضوع پر انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی تلخیص خود علامہ سید سلیمان ندویؒ نے محاضرات (لیکچرس) کی شکل میں ''خطبات مدراس'' کے نام سے کی ہے۔

سید صاحبؒ کے ایک لائق و فائق شاگرد مولانا محمد ناظم ندوی پاکستانی نے اسے عربیت کا جامہ بڑے سلیقے سے پہنایا ہے۔ اور ''الرسالۃ المحمدیۃ'' کے نام سے وہ بھی اہل علم کے حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ اب اس کتاب کو نئے عربی اور ادبی اسلوب میں تحقیق وتعلیق کے زیور سے آراستہ کر کے ہمارے ندوی فاضل مولانا ڈاکٹر رحمت اللہ ندوی نے بہترین عصری انداز میں بیروت سے شائع کرایا ہے، احادیث کی تخریج کے ساتھ اس کو اہل علم وادب اور اصحاب بحث ونظر کی خدمت میں ایک قیمتی، علمی اور تاریخی ہدیہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

الرسالة المحمدية ایک جائزہ:

عربی زبان میں سیرت کے موضوع پر یہ ایک منفرد کتاب ہے، زبان و بیان انتہائی

پرکشش، شستہ و شگفتہ، سلاست و روانی سے بالکل لبریز، سیرت کے اہم اور قابل ذکر واقعات پر مشتمل، علم وادب، زبان وبیان اور معلومات کا نہایت حسین مرقع ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا ایک ادبی نمونہ پیش کر دیا جائے، تا کہ اس کی علمی، ادبی اور فنی امتیازات وخصوصیات کا اندازہ ہو سکے:

"إن الحياة المثالية لن تكون أسوة للناس ما لم تكن أعمال صاحبها – الذي يؤسس ديناً ويدعوالناس إليه – مثالاً وأنموذجاً لمن يدعو إليه. ولا يتطرق الشك إلى الناس بأن ما يدعوا إليه هو مما يعمل به. ومن السهل أن يدعو الداعي إلى فلسفة تحظى بإعجاب الناس، وإلى فكرة يستحسبونها أو نظرية جديدة في الحياة تروق لهم، وكل ذلك مما يقدر عليه كثير من الناس متى شاء وا، وأين شاء وا، أما الذي لا يستطاع دائماً فهو عمل الدعاة بما يدعون إليه. وليست الأفكار الصحيحة والنظريات الشائقة، والأقوال الحسنة هي التي تجعل الإنسان إنساناً كاملاً، بل أعمال الداعي وأخلاقه هي التي تجلعه كذلك، ولو لا ذلك لما كان هناك فرق بين الخير والشر، ولما تميز المصلح عن غيره، و لامتلأت الدنيا بالثرثارين والمتفيهقين الذين يقولون ما لا يفعلون"۔ (اردو اصل خطبات مدراس میں ملاحظہ ہو)

''رحمۃ للعالمین'' مؤلف قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ:

علمائے اسلام کی صف میں خداداد صلاحیت کے مالک جناب مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے سیرت پر ایک مفصل ضخیم کتاب اردو زبان میں تصنیف فرمائی۔ جس کا نام ''رحمۃ للعالمین'' رکھا۔

یہ کتاب علمی وادبی اور ثقافتی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔

بلاشبہ یہ کتاب اس لائق تھی کہ اسے عربیت کا جامہ پہنایا جائے، تاکہ عربی زبان بولنے والے بھی اس کے مندرجات سے مستفید ہوسکیں۔

اس کے ترجمے کے ذکر پر مجھے قطر کے ایک ذی علم اور صاحب فضل عالم شیخ عبداللہ ابراہیم انصاریؒ کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ ہندوستان کے سفر کے دوران میری ملاقات بمبئی میں صدیق مکرم فاضل گرامی مولانا مختار احمد ندوی (متوفی ۹ ر ستمبر ۲۰۰۷ء) سے ہوگئی، ان کے پاس میں نے ایک ضخیم کتاب کا نسخہ دیکھا، جس کا نام ''رحمۃ للعالمین'' تھا۔ اور اس کے مصنف کوئی قدیم ہندوستانی عالم تھے۔ میں نے ان کے پاس موجود دو عالموں سے درخواست کی براہ کرم میرے لئے کہیں سے تھوڑا سا ترجمہ کردیں۔ جب میں نے ترجمہ پڑھا تو اس کے مفہوم کی وسعت اور عبارت کی سلاست نے مجھے اپنا اسیر بنالیا۔ اور میری خواہش ہوئی کہ اس کتاب کو عربی میں مکمل منتقل کیا جانا چاہئے۔

میں نے اللہ سے استخارہ کیا اور اس سے مدد چاہی، اسکے بعد مولانا مختار احمد ندوی مدظلہ نے دو فاضل عالموں کو ترجمے کیلئے مامور فرمایا، دونوں بحمداللہ بیک وقت عربی و اردو پر قدرت رکھتے ہیں۔

ان میں سے ایک کا اسم گرامی ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۹ء)، وکیل جامعہ سلفیہ بنارس، اور دوسرے صاحب کا نام مولانا عبدالسلام صاحب صدر شعبۂ ترجمہ ''الدارالسلفیہ'' بمبئی ہے''۔

ترجمے کے بعد یہ کتاب سیرت طیبہ کے موضوع پر بہترین دستاویز اور عربی سیرت نگاروں کے لئے ایک مستند مرجع کی حیثیت اختیار کرگئی۔ ترجمہ خود شگفتگیٔ بیان اور حسن تعبیر

میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی اہمیت وعظمت کا اندازہ پوری کتاب کے مطالعے سے ہوتا ہے۔ خصوصاً ہجرت کی داستان پڑھئے اور سیرت نگاروں کی نگارش کا اندازہ لگائیے۔

حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقلم: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

یہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور عمروں کے بیان میں ہے۔ اس کے مصنف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ ہیں، آپ نے عربی زبان میں اس کی تالیف فرمائی۔ پھر خود ہی اسے اردو میں منتقل فرمایا۔

اس کتاب کے تعارف کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس کتاب پر مقدمے کا ایک اقتباس نقل کردوں، تاکہ اس سے کتاب کی اہمیت وافادیت کھل کر سامنے آجائے۔ حضرت مولانا رقم طراز ہیں:

> ''حدیث نبوی کی خدمت کے میدان میں ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اپنے تمام معاصرین علمائے کرام سے فائق وممتاز ہیں۔ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، شرح وتخریج، تحقیق وجستجو آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ آپ کی سب سے بڑی آرزو اور زندگی کی عظیم سعادت بس یہی ہے کہ آپ کے شب وروز خدمت حدیث میں بسر ہوں۔ آپ کی تمناؤں کا محور بس یہی ہے کہ حدیث نبوی اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہر موضوع میں آپ کا حصہ وافر ہو۔
>
> حدیث شریف سے گہری وابستگی اور اس فن سے طبعی مناسبت کی وجہ سے حجۃ الوداع اور عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی کتابوں اور شروحات پر آپ کی نظر بڑی گہری ہے، اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت ایک مصنف کو کیا کیا دقتیں پیش آتی ہیں۔ اختلاف مسالک ان کے دلائل اور ان کی کیفیات بیان کرنے میں کتنی

محنت درکار ہوتی ہے، حضرت شیخ چوں کہ اس میدان کے ایک کامیاب شہسوار تھے، اس لئے ۱۳۴۲ھ میں جب کہ آپ کی عمر صرف ۲۷ سال تھی۔ آپ نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب کی تصنیف کا بیڑا اٹھایا۔

چوں کہ اس موضوع سے متعلق تمام باتیں ذہن میں مستحضر تھیں، اس لئے صرف ایک دن اور ایک رات میں کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچادیا۔ آپ کے اس بابرکت عمل اور عظیم الشان کام کو دیکھ کر اسلاف کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بالکل سچ ہے: وما کان عطاء ربک محظوراً (تمہارے رب کے عطیے پر کوئی پابندی نہیں)۔

السیرۃ النبویۃ: مؤلف: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہٗ:

اب میں سیرت کی ایک ایسی کتاب کا تذکرہ کرنے جارہا ہوں جو اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی، بعد میں ''نبی رحمت'' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ بھی ہوا۔ یہ کتاب صرف تاریخ وسیرت ہی کی کتاب نہیں، بلکہ وہ خالص علمی، ادبی ودلکش اسلوب بیان، حسن انشاء، اور فصاحت وبلاغت کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ عصر حاضر میں فن سیرت نگاری میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ یہ کتاب اپنی تمام معاصر کتابوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ اس میں قدیم وجدید تمام مراجع کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اس میں علوم ومعارف اور حکمت وتربیت کے دونوں پہلو شانہ بشانہ جلوہ گر ہیں۔ اس میں ان واقعات کا بطور خاص احاطہ کیا گیا ہے جو زندگی میں جذبہ وولولہ اور ذوق وشوق کو مہمیز لگاتے ہیں، اور دل ودماغ کو اپیل کرتے ہیں، اور دل کی گہرائیوں میں اترتے ہیں۔

یہ واقعات اس انسان کامل کے ہیں جن کی نظیر کسی دوسرے انسان کی زندگی میں ڈھونڈنا فعل عبث ہے۔

اس کتاب کے مقدمے میں مصنف علامؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

''جس شخص کا علم النفس اور اخلاقیات کے کوچے سے بھی گذر ہوا ہے، معاصر شخصیتوں کے مطالعے و مشاہدے کا اسے کبھی موقع ملا ہے، اور اس نے ایک طویل عرصہ ان کی رفاقت و صحبت میں گذارا ہے وہ بآسانی اندازہ کرسکتا ہے کہ نفس انسانی کی تہہ تک پہونچنا، اور اس کے وسیع آفاق اور فضائے محیط کا علم، پھر اس کی جامع اور نازک تصویر کشی علوم ادبیہ اور اسالیب بیانیہ کی سب سے دشوار، نازک اور بہت جلد متاثر ہونے والی صنف ہے۔ اور اس کا تھوڑا بہت حق وہی ادا کرسکتا ہے جو نفس انسانی کے احساسات و جذبات، اس کے سوز و ساز، سرور و شوق، اس کی روح کی تپش اور دل کے گداز سے بہت کچھ واقف ہو، اور یہ محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو کہ اسکی راتیں کیسی کٹتی ہیں، اور اس کے دن کس طرح گذرتے ہیں، وہ اپنے گھر میں کیسا نظر آتا ہے، اور اپنے رفقاء و دوستوں سے کس طرح پیش آتا ہے۔

اس نے اس کو صلح و جنگ میں بھی دیکھا ہو اور اشتعال و سکون، تنگی و راحت، اور ضعف و قوت میں بھی۔ اس لئے کہ انسان کے اندر بہت سے ایسے جذبات و احساسات اور اس کے حسن و کمال کے بہت سے ایسے نادیدہ و ناشنیدہ پہلو بھی ہیں، جن کے لئے انسانی لغت میں ابھی تک الفاظ وضع نہیں کئے جاسکے، اور جن کی منظر کشی و ترجمانی کے لئے لغت کا بڑا سے بڑا ذخیرہ کفایت نہیں کرتا۔ ع

بسیار شیوہاست، بتاں را کہ نام نیست

سیرت نبوی دوسرے افراد بنی آدم میں (بشمول انبیاء و غیر انبیاء) اپنی نزاکت و لطافت، وسعت و جامعیت، زندگی کی نازک سے نازک تفصیلات، اور دقیق سے دقیق معانی و مطالب اور دل کی دھڑکنوں اور پیشانی کی سلوٹوں اور نفس انسانی کی مختلف حالتوں کا احاطہ و استیعاب اور مکمل تشریح و ترجمانی میں سب سے ممتاز اور بلند مقام رکھتی ہے۔

ایسا دراصل علم حدیث کی وجہ سے ممکن ہوسکا۔ جس کی کوئی نظیر دوسرے انبیاء اور تاریخ انسانی کی عظیم شخصیتوں میں کہیں نہیں ملتی۔ سیرت وشمائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں، دن ورات کے مختلف حصوں میں آپ کے جواذکار اور خدا کے حضور آپ کی آہ سحرگاہی اور گریۂ نیم شبی اور اس امت اور پوری انسانیت کے لئے آپ کی بیقراری ودل سوزی کے جو عجیب نمونے آپ کے ادعیہ مسنونہ کے وسیع ذخیرے میں ہمیں نظر آتے ہیں، اس کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔

اسی طرح آپ کے اقوال ماثورہ اور جوامع الکلم اور آپ کے باکمال وصف نگاروں اور اہل بیت کرام نے آپ کے جو شمائل وخصائل، عادات و معمولات اور روزمرہ کی زندگی کے واقعات بیان کئے ہیں، ادبیات عالم اور تاریخ وانساب کے وسیع لٹریچر نے اس سے زیادہ نازک، تصویر کشی اور منظر نگاری اور انسانی خدوخال اور اس کی اخلاقی بلندیوں اور لطافتوں کی اس سے عمیق اور عظیم ترجمانی اب تک ریکارڈ نہیں کی۔

اس لحاظ سے سیرت کے موضوع پر کتاب کی تصنیف میں کسی طرح کی دشواری اور ابہام، مفروضات قائم کرنے اور قیاس سے کام لینے کی بالکل ضرورت نہیں۔ جو مصلحین و قائدین کے تذکرے میں بہت پیش آتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ان میں سب سے زیادہ مکمل بھی ہے اور حسین بھی۔ اس کی بنیاد قرآن مجید کے وہ صریح نصوص، تاریخ کی ناقابل تردید شہادتیں، آپ کا جمال صوری ومعنوی، شمائل و خصائل، عادات وعبادات اور اخلاق و معاملات کی وہ واضح، روشن اور متعین تفصیلات وجزئیات ہیں، جن سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بایں ہمہ وہ حقیقت اور امر واقعہ سے بھی اتنی قریب ہیں جس سے زیادہ تصور ناممکن ہے۔ لیکن ان تمام باتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور

مصلحین عالم کے سوانح وحالات زندگی بلکہ خود دوسرے انبیائے کرام کی سیرت میں اس قدر فرق وتفاوت اور سیرت محمدیؐ کی اس گیرائی اور ہمہ گیری اور جہاں آرائی کے باوجود جو کمال نبوت اور کمال آدمیت کی سدرۃ المنتہیٰ اور معراج ہے، ہم اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ آپ کی زندگی اور مکارم اخلاق کی صحیح تصویر اور آپ کے ان معجزات کا استیعاب وتفصیل، جن کی جلوہ ریزی آپ کی پوری سیرت ودعوت اور انفرادی واجتماعی زندگی میں نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ساتھ آپ کا معاملہ، آپ کا حسن صورت وسیرت وکمال ظاہر وباطن، آپ کی محبت وشفقت اور دل داری ودل نوازی، آپ کی دعائیں اور خدا سے عرض حال، بنی نوع انسان اور انسانیت کے مستقبل کے لئے آپ کی بے قراری ودل سوزی، آپ کی فصاحت و بلاغت، علم وحکمت اور کمال وجامعیت کی ان روشن وجاں نواز نشانیوں اور زندہ ولافانی، معجزوں کا مفصل ومکمل بیان قریب قریب ناممکن ہے۔

سیرت وشمائل کی کتابوں نے اس سلسلے میں جو کچھ پیش کیا ہے، وہ (ان کے کمال دیدہ وری وعرق ریزی کے اعتراف کے ساتھ) آپ کے جمال سیرت وکمال نبوت کا صرف ایک ہلکا سا عکس ہے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا۔

زیادہ سے زیادہ اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان کی سعی محمود ہے، کہ انہوں نے اس قدر ضبط واتقان اور غایت درجہ اہتمام کے ساتھ ان حالات کو قلم بند کیا، اور اس کی بہترین جزا اللہ ان کو عطا فرمائے گا۔

یہ ایسی مشترک، عالم گیر اور غیر مختتم دولت ہے، جس میں ہر فرد بشر، ہر انسانی گروہ ونسل اور ہر طبقہ ہدایت وروشنی اور اتباع وپیروی میں اپنا حصۂ رسدی پاسکتا اور اپنے طالع خفتہ کو بیدار کرسکتا ہے۔

لقدكان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجواالله واليوم الآخر وذكر الله كثيراً۔ (سورۃ الأحزاب:۲۱)

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، یعنی اس شخص کے لئے جسے خدا سے ملنے اور روز قیامت کے وقوع کی امید ہو، اور وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

الرحیق المختوم: مؤلف: مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری:

سیرت کے موضوع پر یہ عظیم الشان کتاب ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے ۱۹۷۶ء میں سیرت کے موضوع پر ایک مسابقے کا اعلان کیا، جس میں پانچ اہم مقالات منتخب کر کے ان کے لکھنے والوں کو ایک اچھی رقم بطور انعام دیئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے بھی اس میں حصہ لیا۔

آپ کی کتاب اس موضوع پر سب سے عمدہ اور مطلوبہ معیار و شرائط پر پوری اترتی ہوئی پائی گئی، لہٰذا اول انعام کی مستحق قرار دی گئی۔

بلاشبہ یہ کتاب موضوع سیرت کا ایک اہم مرجع ہے، اور علمی و تحقیقی میدان میں ایک نمایاں مقام کی حامل ہے۔ زبان و بیان، حسن تعبیر اور ادبی وفنی جمال کی منہ بولتی اعلیٰ تصویر ہے۔

یوں تو پوری کتاب جاذبیت و دل کشی سے لبریز ہے۔ لیکن اس کے اسلوب اور انداز بیان سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے صرف غزوۂ احد کا واقعہ پڑھ لینا کافی ہے۔

اس موضوع سے متعلق ایک اور کتاب:

بیسویں صدی کے اخیر میں اس عاجز (راقم سطور) کی کتاب: "شعراء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم في ضوء الواقع والفرض" بھی منصۂ شہود پر آئی۔

اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے چار جلیل القدر شعرا کی سوانح عمری اور ان کے کلام کا تذکرہ ہے۔

(۱) شاعر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ۔
(۲) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ۔
(۳) حضرت کعب بن مالکؓ۔
(۴) حضرت کعب بن زہیرؓ (صاحب قصیدۂ بردہ)۔
کے اشعار کا ادبی جائزہ لیا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعری ذوق، اشعار کہنے پر آپ کی ترغیب وہمت افزائی پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ امام ربانی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کے قلم گہربار سے ہے۔

پیش لفظ جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے لکھا ہے۔

دراصل یہ کتاب راقم السطور کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

اور سیرت نگاری میں ان کا درجہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفىٰ!

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم سیرت نگار ہیں۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں انہوں نے سیرت کے موضوع پر اپنی منفرد کتاب رحمۃ للعالمین کی تصنیف کا آغاز کیا۔ اور اس صدی کی تیسری دہائی میں تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب شائع ہو کر عوام و خواص کے ہر طبقے میں کافی مقبول ہوئی۔ اور اس سے نہ صرف یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ اور آپ کی پاکیزہ زندگی کا مکمل تعارف ہوا، بلکہ دین اسلام کی وسعت، اس کی ہمہ گیری اور اس کے دین فطرت ہونے پر ہر طرح کے عقلی اور نقلی دلائل کا ایک عظیم الشان مرقع تیار ہو گیا اور انسانی زندگی کی کامیابی کے لئے جس شریعت اور دستور حیات کی ضرورت ہے، وہ اس کتاب کے ذریعے پوری ہوئی۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرکشش اور پاکیزہ سیرت کے اندر اللہ تعالیٰ نے تمام عملی نمونے اور حالات و واقعات، ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح جمع کر دیئے ہیں اور دنیا کا ہر انسان تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ یہی وہ سیرت مطہرہ ہے جو وحی الٰہی کی بنیاد پر قائم ہوئی۔ اور انسانی زندگی کے لئے اس میں جملہ ہدایات ودیعت کی گئیں تاکہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، وہ زندگی کا صحیح مقصد اچھی طرح سمجھ سکے اور اس پر وہ پوری طرح مطمئن ہو کر کائنات میں اپنے کردار کو اس کی روشنی میں متعین کر سکے، اور وہ اپنی تمام حیثیتوں کے ساتھ کارگہ عالم میں متعارف ہو سکے۔ وہ بحیثیت

ایک بندۂ عاجز کے اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلقات استوار کرے، اور بحیثیت ایک فرد بشر کے دوسرے افراد سے اپنا تعلق جوڑے اور اس کی وجہ سے دنیا میں ایک خوبصورت، پاکیزہ اور اخوت ومحبت سے لبریز انسانی معاشرہ قائم ہو، جہاں کسی قسم کی اخلاقی بیماری، نفسیاتی کمزوری اور اجتماعی برائی جگہ نہ پاسکے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس ماحول میں ہوئی، وہ نہ صرف یہ کہ بہت سخت اور غیر معمولی بگاڑ اور فساد کا شکار تھا، اور جس کا نشان امتیاز قرآن کریم کی تعبیر میں ''عداوت'' تھا، اور قرآن کریم ہی کی تعبیر میں ''جاہلیت'' اس کا وصف عام تھا۔ ایسے ماحول کو بدلنا اور اس کے تمام رسم ورواج اور افکار وعقائد میں انقلاب لانا کسی ایسی ہستی کے ذریعے ناممکن تھا جو مبعوث من اللہ نہ ہو، اور جو حکمت الٰہی کے ماتحت ایک عظیم ترین مقصد کے لئے اللہ کے حکم سے اس دنیا میں نہ بھیجی گئی ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مذاہب پر خط تنسیخ پھیرنے والا دین اسلام اور شریعت الٰہی لے کر اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنی عظیم ذمے داری پر رحمۃ للعالمین کے آسمانی اعلان کے بعد پوری شدت اور طاقت کے ساتھ قائم رہے، اور تائید غیبی سے اپنے قدم برابر آگے بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین کے لقب سے نوازا، اور چہار دانگ عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکہ چلایا، اور وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين کا اعلان عام فرمایا۔

جاہلیت اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ جزیرۃ العرب کو اپنی گرفت میں لے کر پوری طرح اس پر مسلط تھی، یہاں پر ہر طرح کے باطل افکار وخیالات اور غیر مستند رسم ورواج اور ہر قسم کی برائیوں کا دور دورہ تھا، اور بت پرستی اور اوہام پرستی خدا کی عبادت اور اس کی بندگی اور اخلاقی بلندی کے ہر تصور سے بے گانگی کا باعث تھی۔ یہی وہ سرزمین تھی جہاں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا رواج تھا، اور عورتوں کو ذلیل کر کے ان سے ناجائز تعلقات قائم کرنا ایک اجتماعی فیشن سمجھا جاتا تھا، اگر غور کیا جائے تو اس وقت سرزمین عرب ہی دراصل ہر

طرح کے بگاڑ اور برائیوں کا مرکز بنی ہوئی تھی، اور روم و فارس کے متمدن علاقوں سے اس کا تجارتی تعلق قائم تھا، اور باہر کی دنیا کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں، خاص طور سے مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ کا وجود اور اس کی عظمت و تقدس کا شہرہ جزیرۃ العرب پر للچائی ہوئی نظریں ڈالنے کا ایک بڑا سبب تھا۔ حالانکہ وہ وادیٔ غیر ذی زرع کی نمائندگی کر رہا تھا، اور اس وقت کی متمدن قوموں کے لئے وہ ناموزوں بھی تھا، مگر اس کی جغرافیائی مرکزیت اور اہمیت اس زمانے کے لوگوں سے مخفی نہ تھی اور وہ برابر اس کے حالات سے تعلق رکھتے تھے۔

ان خصوصیات کی بنا پر سرزمین عرب کو اسلام کا مرکز بننے کی سعادت حاصل ہوئی اور اسلام کے پیغام کو اس مرکز سے پوری دنیا میں پھیلانے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہوا۔ اور وہاں کے حالات و ماحول کو پیش نظر رکھ کر نبی امت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے منتخب کیا گیا۔

قاضی صاحب اپنے مقدمے میں اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اگر ہم عرب کو کرۂ ارض کے نقشے پر دیکھیں تو اس کے محل وقوع سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسے ایشیا و یورپ و افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے۔ اور وہ خشکی و تری (دونوں راستوں) سے دنیا کو اپنے داہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لئے ایک ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت اعلیٰ کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی ذہن نشیں ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لئے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو عرب ہی اس کے لئے موزوں ہے، خصوصاً اس زمانے پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ اور یوروپ و ایشیا کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا، تو عرب کی آواز

ان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔

رب العالمین نے (جہاں تک میں سمجھتا ہوں) اسی لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں پیدا کیا، اور ان کو بتدریج قوم اور ملک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا"۔

عرب کے اس ماحول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء اپنا پیغام پہونچانے اور اپنے مشن کو جاری رکھنے میں سخت دشواریاں پیش آئیں۔ اور قریش مکہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام کو روکنے اور اس پر پابندی لگانے کی بہت سی کوششیں کی گئیں، اور آپ کو بدنام کرنے کے لئے کوئی دقیقہ مخالفین نے اٹھا نہ رکھا۔ لیکن اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا بھی کمزور پڑے اور نہ بددل ہوئے بلکہ تبلیغ کا سلسلہ پوری طاقت کے ساتھ جاری رکھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اور تبلیغ اسلام کے تدریجی مراحل کا ذکر کرتے ہوئے قاضی صاحب یوں رقم طراز ہیں:

"یا أیها المدثر قم فأنذر وربك فكبر وثیابك فطهر و الرجز فاهجر ولا تمنن تستكثر ولربك فاصبر"۔

(اے درست کرنے والے (عالم کے) اٹھو! اور گندے اعمال والوں کو ڈراؤ، اور اپنے پروردگار کی بزرگی کو پھیلاؤ، اور پاک دامنی اختیار کرو۔ (مخلوق پرستی کی) نجاست سے علیحدگی اختیار کرو، احسان اس نیت سے نہ کرو، کہ لوگوں سے اس کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ اپنے پروردگار کے لئے فریضۂ رسالت ادا کرتے ہوئے امتحان اور تکلیف میں استقلال رکھو!)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے:

(۱) نافرمانوں کو ان کی خطرناک حالت سے آگاہ کرنا اور انجام سے ڈرانا۔

(۲) اللہ کی ربوبیت اور کبریائی اور عظمت وجلال کو آشکار کرنا۔

(۳) لوگوں کو اعتقاد اور اعمال واخلاق کی ظاہری وباطنی نجاستوں سے پاک رہنے کی تعلیم دینا۔

(۴) پاکیزگی، صفائی اور پاکدامنی سکھانا۔

(۵) الٰہی تعلیم مفت دینا، نہ ان پر احسان جتانا، نہ ان سے اپنے کسی فائدے کی توقع رکھنا۔

(۶) اس کام میں جتنے بھی مصائب اور شدائد جھیلنے پڑیں، سب کچھ برداشت کرنا۔

جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے حالات پر غور کرے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی خوبی سے ان سب مقاصد کو پورا کیا۔

اول: قریب کے رشتے دار، اور خاص خاص احباب

دوم: قوم اور شہر کے سب لوگ۔

سوم: مکے کے اطراف وجوانب کے قبیلے۔

چہارم: عرب کے جملہ حصص اور قبائل۔

پنجم: جملہ دنیا کی جملہ متمدنہ اقوام اور جملہ مشہور مذاہب۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تبلیغ کے لئے نہایت استحکام، کمال استقلال اور کشادہ پیشانی ونزہت خاطر سے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے میں ثابت قدمی فرمائی تھی۔ اور اپنی تعلیم کو دلائل بین اور براہین محکم سے ثابت کر دکھایا تھا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے پوری دنیا خدا فراموشی کی آزمائشوں میں مبتلا تھی۔ ظاہری تمدن موجود تھا اور ظالمانہ نظامہائے حکومت قائم تھے۔ یونانی فلسفے کے اثر سے وثنیت کی مختلف شکلیں انسانی معاشرے پر پوری طرح اثر انداز تھیں۔ اور اخوت ومحبت کے تمام سوتے خشک ہو گئے تھے۔ وحشت وبربریت پوری طاقت کے ساتھ اپنی بے رحمی اور قساوت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ امن واطمینان، تہذیب وشرافت اور اخلاقی قدریں زندگی

کے لغت میں ناپید تھیں۔ غرض یہ کہ انسان اپنی نوعیت میں ایک منفرد مخلوق کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا، لیکن اس کائنات اور زندگی اور خود انسان کے بارے میں اس کا کوئی رویہ واضح نہیں تھا، اور انتشار و بدامنی، بگاڑ و فساد اور مختلف قسم کی برائیاں دنیا کے تمام حصوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہیں دشوار گزار اور مشکل حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اس وقت کی دنیا کا مختصر نقشہ قاضی صاحب نے اس طرح کھینچا ہے:

''یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ عالم کیلئے مبعوث ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام عالم پر جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی، وحشت و درندگی کا پوری دنیا پر تسلط تھا، انسانیت، تہذیب اور اخلاق کے نام شاید کتابوں میں نظر آسکتے تھے، مگر دلوں پر کوئی اثر نہ تھا۔

الف: بنی اسرائیل تو مسیحؑ سے بھی پہلے سانپ اور سانپ کے بچے کہلانے کے مستحق ٹھہر چکے تھے۔ اب مسیح علیہ السلام کی لعنت سے ظاہری شکل وصورت کے سوا ان میں آدمیت کی ذرا بھی شان باقی نہ رہی تھی۔

ب: یورپ میں جہالت و وحشت کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں، اور اس کے مختلف اضلاع میں ورڈن بت کی پرستش ہوتی تھی۔ فرانس، برن ہلڈ، سگ فمرٹ، فرے ڈی، گوٹن دی، اور دیگر بہت سے خطوں میں پادریوں کے ایما سے بہت سی بے ہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں۔

فرانس ہمیشہ سیکسن قوم سے دریائے الب پر معرکہ آرا رہتا تھا۔ یہ لڑائی ۷۷۲ء کے بعد تک جاری رہی۔ جب کہ ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت بے رحمی سے شہر ورڈن میں ہلاک کئے گئے، ہینگری ان دنوں انتہا درجے کی ناشائستہ و وحشی اور آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا۔ جس کو ظالمانہ و وحشیانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔

ج: ایران پر مزدکیہ کا زور تھا، جنہوں نے زن، زر اور زمین کے وقف عام کر دینے

سے اخلاق وانسانی ترقیاتی کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔

د: ہندوستان میں پرانوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا، اور بام مارگی فرقہ قابو یافتہ تھا۔ وہ اپنے گندے اصولوں کی طرف بندگان خدا کی رہبری کرتے تھے، مندروں میں مرد و زن کی برہنگی کی تمثالیں بنا کر رکھی جاتی تھیں، اور انہیں کی پرستش کی جاتی تھیں، عبادت خانوں کے در و دیوار پر ایسی سراپا فحش تصویریں کندہ کی جاتی تھیں، جن کے تصور سے ایک مہذب شخص کو نفرت آنی چاہئے۔

ہ: چین کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت سمجھ کر خدا سے منہ موڑ لیا تھا۔ ہر کام کے بت جدا جدا تھے، کوئی بارش کا، کوئی اولاد کا، کوئی جنگ کا، کوئی امن کا، اور ہر ایک بت کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔

و: مصر میں عیسائیت زوروں پر تھی، مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ابنیت کی تعریف و تجدید، توحد و تفریق کے متعلق روز روز نئے اعتقادات پیدا ہوتے، نئے نئے فرقے بنتے تھے، ایک فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا، اپنے مخالف کو قتل کرنے اور آگ میں جلانے سے بھی دریغ نہ کرتا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک ہی کی ہے جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیر اثر تھے، اور جن میں سے ہر ایک کو بجائے خود علم و تہذیب کے بڑے دعوے تھے۔

ز: عرب کا قیاس انہیں ممالک پر کر لیجئے، قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ یہ ایسا ملک تھا جہاں صدیوں سے نہ کسی بادشاہ کا تسلط ہوا تھا، نہ کوئی اثر قانون نے ڈالا، نہ کوئی ہادی ان کی ہدایت کے لئے پہونچا تھا، اس حیوانی آزادی پر بے علمی، جہالت اور اقوام متمدنہ سے دوری اور اجنبیت نے ان کی حالت کو اور بھی زیادہ تباہ کر دیا تھا۔ اسی بدترین حالت ہی نے ان کو زیادہ واجب الرحم ٹھہرایا، اور رب العالمین نے اصلاح عالم کا آغاز اسی جگہ سے ہونا پسند فرمایا"۔

خاتم النبیین کی ایک بہت ہی امتیازی شان یہ تھی کہ انہوں نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس اسلام کا پیغام بذریعہ مخطوط پہونچایا۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو دیگر انبیائے کرام میں نہیں پائی گئی۔ اس لئے کہ یہ مذاہب عالم گیر دعوت، اور ہمہ گیر نظام زندگی کی نمائندگی نہیں کرتے تھے۔

اسی کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم و فارس اور حبش و یونان، ایران اور وسط ایشیا کے علاقوں میں دعوت اسلام کا عمل شروع فرمایا؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیا کے لئے بشیر و نذیر بن کر آئے تھے، اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی ذمے داری ان کو سونپی گئی تھی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ کہہ دیجئے کہ ''اے نسل انسانی کے نمائندو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغامبر بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ اس آسمانی ہدایت کے بموجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف مختلف ممالک کے بادشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے، تو دوسری طرف داعیان اسلام کو دنیا کے مختلف خطوں میں بھیجا۔

جن بادشاہوں کے نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط روانہ کئے، ان سب کے نام اور خطوط کی نقل رحمۃ للعالمین کے مصنف نے تحریر کیا ہے، اور ان والیان ملک کے نام بھی لکھے ہیں، جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جیسے نجد کا حکمراں، غسان کا حکمراں، اور شام کا گورنر، دومۃ الجندل کا بادشاہ، یمن و طائف کا بادشاہ، اسی طرح جو وفود مختلف قبائل اور دور دراز علاقوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام کی آواز سن کر حاضر ہوئے ان کا تذکرہ سیرت نگار نے نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور تاریخی حقائق کی روشنی میں وہ تمام تفصیلات جمع کر دی ہیں، جو مجموعی طور پر دوسرے سیرت نگاروں کے ہاں نہیں پائی جاتیں۔

نماز کی فرضیت کے بارے میں لکھتے ہوئے اس کی اہمیت اور اس کے مثبت کردار کا ذکر کرتے ہیں، اور ہر حال میں اس پر مداومت کرنے اور زندگی پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہونے اور انسانی زندگی کی پاکیزگی، اس کی سعادت و کامیابی کی ضمانت نماز کے

ذریعے سے جس فطری طریقے سے ہوتی ہے، اور خدا و بندے کے درمیان جس طرح نماز واسطہ بنتی ہے، اس کا تذکرہ قاضی صاحب کی زبان سے سنئے:

(۱) مدت العمر تک عبادت الٰہی کی مداومت رکھنا کمال استقلال کا مظہر ہے، ہر روز پنج گانہ نماز کے اوقات کی حفاظت رکھنا پابندیٔ اوقات کی زبردست تعلیم ہے۔ جسم اور لباس اور مکان کو نجاست و آلودگی سے پاک صاف رکھنے کا اہتمام صحت جسمانی کے قیام کی بہترین تدبیر ہے۔ دل و زبان، اعضاء و دماغ کو عظمت الٰہی اور جلال کبریائی کے سامنے مؤدب و مہذب رکھنا نورانیت و روحانیت کے لئے عجیب روشنی ہے۔

(۲) نماز میں جس قدر پابندی ہے، وہ جلد سو جانے اور جلد جاگ جانے کی جس طرح تعلیم دیتی ہے، وہ جس طرح ہر ایک ٹائم ٹیبل کو اپنے ماتحت کر لیتی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں شہوانی و نفسانی خیالات کو نماز کے ذریعے کیسے ملیامیٹ کیا گیا ہے۔

(۳) نماز کے ذریعے مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی، تمدن و ترقی کی جان ہے، اتحاد و یگانگی اور تبادلۂ خیالات کا پاک ترین ذریعہ ہے، ایک جاہل بہت سی باتیں نظیر و نمونے سے سیکھ سکتا ہے، اور ایک عالم بآسانی تبلیغ کر سکتا ہے۔ ایک امیر غریب کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مساوات کا سبق لیتا ہے، اور ایک غریب امیر کے برابر بیٹھ کر سچے دین کے انصاف سے اپنی روح کو خرسند کر سکتا ہے۔

(۴) جو لوگ نماز چھوڑ دیتے ہیں، یا مسجد کی حاضری یا جماعت کی پابندی میں سستی کرتے ہیں، وہ ان اخلاقی فضائل سے محروم رہتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کے افراد ایسے اعلیٰ اخلاق سے خالی ہوں گے، وہ کیا ہونگے۔ خداوند کریم نے فرمایا ہے: "إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر، و لذكر الله أكبر"۔ (نماز ناپاک کاموں اور لائق انکار فعلوں سے روک دیتی ہے۔ اور اللہ کے ذکر میں تو فوائد و فیوض، اور انوار و اسرار اس سے بھی بہت زیادہ اور بڑھ کر ہیں)

رحمۃ للعالمین کے سیرت نگار کتاب کی دوسری جلد میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ طیبہ کو نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ اور تاریخی شہادتوں کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب پر نظر ڈالو تو شاید دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا بھی خاندانی سلسلہ اس وضاحت کے ساتھ تاریخ کے اوراق میں دست یاب نہ ہو سکے گا۔ پھر ہر ایک سلسلے میں نسب کی رفعت شان پر نظر ڈالو، تو کہیں وہن و خمود نہیں ملے گا۔ یہ شرف صرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے، جسے ازل الآزال میں قدرت ربانیہ نے عالمین پر ممتاز فرمایا، اور آدم سے لے کر ذات گرامی تک ہر ایک نسل کی رہنمائی خود فرمائی ہو''۔

کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ طیبہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک، دوسرا معد بن عدنان سے اوپر تک، تیسرا اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہو کر آدم علیہ السلام تک۔

ان تینوں حصوں میں مصنف نے اسماء و رجال کو پوری وضاحت اور تفصیل و دلائل کی روشنی میں نہایت پختگی کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ دنیا کا کوئی سیرت نگار آج تک اس جیسے شجرۂ نسب کو اس طرح پیش نہیں کر سکا، اس حیثیت سے کتاب کا یہ حصہ ایک عظیم دستاویز بن گیا ہے۔

اسی طرح سیرت نگار نے خاتم النبیین امام المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو تمام انبیاء پر تقابلی مطالعے کے ذریعے ثابت کیا ہے اور رحمۃ للعالمین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تمام اقوام و طبقات پر اور کائنات کے ہر ہر ذرے پر عام تھی، اور آپ حقیقی معنوں میں رحمۃ للعالمین تھے:

''پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ عالمین کے لئے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لئے ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ رحمۃ للعالمین

وہی وجود مرکز ٹھہرے گا، جس نے اہل عالم بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود رفاہ و فلاح، خیر و صلاح، عروج و ارتقاء، صفاو بہا کے لئے بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزش طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا ہو، جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو، جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو۔

جس نے دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست، طبع کو ہموار بنایا ہو، جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو، جو غریبی و امیری، جوانی و پیری، امن اور جنگ، امید اور ترنگ، گدائی و پادشاہی، مستی و پارسائی، رنج و راحت، حزن و مسرت کے ہر درجے، ہر پائے اور ہر مقام پر انسانی کی رہبری کرتا ہو۔ جس نے فلک کی بلندی، زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، سورج کی چمک، جگنوں کی دمک، ذرے کی پرواز، قطرے کی طراوت میں عرفان ربانی کی سیر کرائی ہو۔ جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپائی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہاں بانی، غلاموں کو سلطانی، شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو۔ جس نے خشک میدان میں علم، معرفت کے دریا بہائے ہوں، جس نے سنگلاخ زمینوں سے کتاب و حکمت کے چشمے بہائے ہوں، جس نے خود غرضوں کو محبت قومی کا دردمند بنایا ہو، جس نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا ہو۔ وہ غریب کا محبّ، مسکین کا ساتھی، شاہوں کا تاج، آقاؤں کا آقا، غلاموں کا محسن، یتیموں کا سہارا، بے آسروں کا آسرا، بے خانمانوں کا ماویٰ، درمندوں کی دوا، چارہ گروں کا دردمند، مساوات کا حامی، اخوت کا بانی، محبت کا جوہری، اخلاص کا مشتری، صدق کا منبع، صبر کا معدن، خاکساری کا نمونہ، رحمت ربانی کا پتلا، اولین انسان، اخریں رسول اگر رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا، تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہوگا؟۔ ہاں رحمۃ للعالمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری، اقوام کی بے گانگی، رنگوں کا اختلاف، زبانوں کا تباین دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ، سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہو۔ ہاں! رحمۃ للعالمین وہی ہے، جو بندے کو خدا کے حضور تک لے جاتا ہو، اور اسے: "أدعونی استجب لکم" کی قدسی آواز سے آشنا بناتا ہو، اور خدا بندے کے درمیان کسی تیسرے کے لئے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑتا ہو"۔

رحمۃ للعالمین کے سیرت نگار نے کتاب کے تیسرے حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کے ساتھ قرآن کریم کی خصوصیات اور اسلام کی خصوصیات کو نہایت تحقیقی انداز میں بہ تفصیل ذکر کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھبیس خصوصیتیں دلائل کی روشنی میں بیان کی ہیں، اور ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ خصوصیات ذات گرامیؐ پر، دوسرا خصوصیات نبوت پر مشتمل ہے۔ پہلی خصوصیت (محمد رسول اللہ) کی ہے اور آخری (فبھداھم اقتدہ) کی بیان کی ہے۔ اس ضمن میں تمام انبیائے کرام کے حالات، نوح علیہ السلام سے لے کر لوط علیہ السلام تک بیان کئے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات کو صحیح احادیث سے ثابت کیا ہے۔ اور معجزات کی تین قسمیں بیان کرنے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئیاں فرمائی ہیں ان کو نہایت تفصیل کے ساتھ احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ اور اس مضمون کے کسی گوشے کو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے تحریر کیا ہے کہ:

> ''خصائص النبیؐ کو اگر پوری وسعت کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم دفتر بن جائے، لہٰذا جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف ''ماحضر'' کے تحت ہے، خصائص کا استنباط زیادہ تر آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیبؐ کی خصوصیات کا جاننے والا، اور وہی اس کے کنز مخفی کی مفتاح عطا کرنے والا ہے''۔

ایک سیرت نگار کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر تاریخی حقائق کی روشنی میں بحث کرے۔ اسی طرح قرآن کریم کے بارے میں گفتگو کرنا اور اس کی خصوصیتوں کو بیان کرنا از حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم سیرت پاک کی بڑی حد تک تفسیر ہے۔

رحمۃ للعالمین کے مؤلف قاضی سلیمان منصور پوریؒ، قرآن کریم کی خصوصیات کے ضمن میں، ضرورت قرآن، فصاحت و بلاغت قرآن، مضامین قرآن، تاثیر قرآن، جیسے

مباحث زیر تحریر لائے ہیں۔ اور قرآن مجید کی خصوصیات پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ قرآن کی پیشین گوئیاں خاص طور سے تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، اور ان کے ذریعے قرآن مجید کو کلام الٰہی اور وحی الٰہی ثابت کیا ہے۔

تیسری جلد کا تیسرا باب اسلام کی خصوصیات پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف عنوانات کے تحت دین اسلام کی خصوصیتیں کلام الٰہی کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں۔

سب سے پہلا عنوان ہے: اسلام ہی دین توحید ہے۔

سیرت نگار نے ثابت کیا ہے کہ ہر مذہب کی صداقت کا معیار اور اس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔ اور یہ توحید فطرت اور عقل کے عین مطابق ہے، اور یہ توحید عیسائیت کی تثلیث کی طرح نہیں ہے جس کو پوپ حضرات عقل وفہم سے ماوراء قرار دیتے ہیں، اور جس کے بارے میں بحث کرنا صحیح نہیں سمجھتے۔

سیرت نگار نے آیات قرآنی کے حوالے سے توحید کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ہر عنوان کو کتاب وسنت کے حوالے سے ثابت کیا ہے۔

وہ عنوانات یہ ہیں:

(۱) توحید فی العبادت۔

(۲) توحید فی الاستعانت۔

(۳) توحید فی القدرت۔

(۴) توحید فی التصرف۔

(۵) توحید فی الذات۔

(۶) توحید فی الصفات۔

اس باب کی دوسری فصل میں یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ہی دراصل روحانیت کا مذہب ہے۔ اور تیسری فصل اخلاق حسنہ سے متعلق ہے۔ چوتھی فصل میں، رحم وعدل کے مسئلے کو اسلام نے حل کیا ہے، اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد کی فصلیں مندرجہ ذیل

عنوانات کے ساتھ مخصوص ہیں:

فصل:(۵)

اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے۔

فصل:(۶)

اسلام ہی دین العمل ہے۔

فصل:(۷)

اسلام ہی بانی اخوت ہے۔

اس فصل میں انصار و مہاجرین کی مواخات اور اس کے دوررس نتائج واثرات کا ذکر کیا گیا ہے۔

فصل:(۸) اسلام ہی نے انسان اور انسانیت کے درجے کو بلند تر کیا۔

فصل:(۹)

اسلام ہی غیر متعصب دین ہے۔

فصل:(۱۰)

اسلام ہی دین محبت ہے۔

فصل:(۱۱)

اسلام ہی دین مساوات ہے۔

فصل:(۱۲)

اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصے دار بنایا۔

فصل:(۲۳)

اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی۔

فصل:(۱۴)

اسلام ہی اپنے مہد و گہوارے میں آج تک قائم ہے۔

فصل:(۱۵)

اسلام ہی دین تمدن ہے۔

فصل:(۱۶)

اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض حاصل کئے۔

فصل:(۱۷)

اسلام ہی ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح سارے عالم کے لئے عام بنایا۔

فصل:(۱۸)

اسلام ہی دین برہے۔(نیکی کا مذہب)

فصل:(۱۹)

اسلام ہی دین تقویٰ ہے۔(پارسائی کا مذہب)

فصل:(۲۰)

اسلام ہی دین حسن وجمال ہے۔

سیرت نگار نے کم از کم دین اسلام کی اکیس خصوصیات شمار کرائی ہیں، اور ہر ایک کی تشریح کتاب وسنت کے نصوص کی روشنی میں کر کے اسلام کو ایک ہمہ گیر اور لازوال مذہب کی حیثیت سے پیش کرنے میں عام سیرت نگاری کی روش سے ہٹ کر بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اور اپنے مؤثر وطاقتور اسلوب بیان کی وجہ سے سیرت نگاری کے فن میں انہوں نے ایک امتیازی شان کا مظاہرہ کیا ہے۔

چوں کہ سیرت نگار، قدیم وجدید اور دینی وعصری علوم کے جامع تھے، ان کا مطالعہ اس موضوع پر نہایت عمیق اور جامع تھا۔ اس لئے وہ اس موضوع کا حق ادا کرنے میں بہت سی حیثیتوں سے دیگر مؤلفین سیرت سے ممتاز ہیں۔ اور اپنے فن میں ایک انفرادیت کے مالک ہیں۔ بہتر ہوگا کہ سیرت نگار کی بعض خصوصیات اس عصر کے عظیم محقق اور سیرت نگار، ''سیرت النبیؐ'' کے مؤلف علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں پیش کر دی جائیں، کہ اس سے بڑھ کر سیرت نگار کے درجے کو متعین کرنے کیلئے کوئی شہادت نہیں

ہوسکتی۔ تیسری جلد کے مقدمے میں سید صاحبؒ رقم طراز ہیں:

''رحمۃ للعالمین کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے آسمانی صحف کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعوے کا ابطال بھی اس میں جا بجا ہے۔

مصنف مرحوم کو تورات اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا، اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے ان کو پوری واقفیت تھی، اس بنا پر اس کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔ پیش نظر حصہ کہنے کو تو ''خصائص محمدیؐ'' کے بیان میں ہے۔ مگر درحقیقت اس میں اسلام کے ان امتیازات، اور خصوصیات کا خاکہ ہے، جس کی بنا پر اس کو دین کامل کا خطاب ملا ہے۔ اسی طرح اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فضائل و محامد درج ہیں، جن کی بناء پر آپ کو خاتم النبیین اور مکمل دین کا پُر فخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔ مصنف کے دلائل ایسے دل نشیں اور طرز ادا ایسا متین ہے کہ اس کی یہ تصنیف ہر صاحب ذوق کے لئے باعث تسکین ہوسکتی ہے۔

زمانۂ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے، مصنف مرحوم نے اس کی پوری نگہ داشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ ألوف التحیات و السلام کے وہ تمام امتیازات اور محاسن جو اس دور میں کسی بھی حیثیت سے پیش کرنے کے لائق تھے، مرحوم نے اس کا پورا استقصا کیا ہے، اور کہیں سے کسی کارآمد نکتے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مناظرانہ طریق تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے۔ مگر جس طرح خود مصنف مرحوم اس وصف میں ممتاز تھے، اسی طرح ان کی یہ تصنیف اس وصف میں امتیاز خاص رکھتی ہے۔ پوری کتاب مناظرانہ اور احقاق حق کی روداد دل سے لبریز ہے۔ تاہم کہیں تہذیب اور مذاق سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔''

اس عظیم شہادت کے ساتھ ہی یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچتی ہے کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ سیرت نگاری میں ایک بلند مقام کے مالک تھے، اور اس فن میں دوسرے سیرت نگاروں سے بہت فائق تھے۔ انہوں نے اس موضوع کو بڑی وضاحت اور تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے، اور ایسا اسلوب بیان استعمال کیا ہے جو عوام وخواص ہر ایک کے ذوق وفہم کے مطابق ہے۔ انہوں نے اپنے مفہوم کو بیان کرنے میں زبان و بیان کی خوب صورتی کو ہر جگہ مدنظر رکھا ہے، اور کسی مقام پر تعقید یا غموض کا کوئی شائبہ انہوں نے روا نہیں رکھا ہے۔

مفہوم کی وسعت، معانی کی گیرائی و گہرائی، جذبۂ ایمان کی تجلیات اور صاحب سیرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق ومحبت ہر ہر سطر سے عیاں ہے۔ اور یہی وہ وصف ہے جس نے سیرت نگار کے مقام کو بہت اونچا کر دیا ہے، اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس سے اس کو نوازتا ہے۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

☆☆☆

معاندین اسلام کی سازش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف!!

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودی سازش ایک طویل عرصے سے جاری ہے۔ حد یہ ہے کہ اسلام دشمنی کا خون ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ یہ سازش مختلف صورتوں میں اس جہان گیتی کے الگ الگ حصوں میں رونما ہوتی ہے۔ کبھی زبان و قلم کے ذریعے اسلام کی پاکیزہ و قابل احترام شخصیات کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے، ان کی عزت و ناموس کو تار تار کیا جاتا ہے، تو کبھی تہذیبی اور فکری حملوں کے ذریعے اسلام کے قلعے کو متزلزل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی طرح اسلامی شریعت اور اس کی تاریخ و تہذیب کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے مقدسات اور شعائر کی اہانت کی جاتی ہے۔ یہ اسلام دشمن عناصر خلفائے راشدین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور ان کے دامن تقدس کو پارہ پارہ کرنے کے درپے رہتے ہیں، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔ تاہم اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں جھوٹی اور بے بنیاد باتیں گھڑتے ہیں اور ان کو تحقیق و ریسرچ کے حسین لبادے میں ملبوس و مزین کر کے پیش کرتے ہیں۔

اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اور اس طرح کی بے بنیاد باتوں کو دنیا کے بڑے بڑے پبلشر اور اشاعتی ادارے شائع کرتے ہیں اور دولت کماتے ہیں۔ چند سال قبل شائع شدہ بدنام زمانہ انسان سلمان رشدی کی ناپاک کتاب ''شیطانی آیات'' سے کون ناواقف ہوگا۔

معاندین اسلام نے اسلام کے عروج کی تاریخ اور اس کے جوہر کو نیست و نابود کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہی وہ بنیاد ہے جو اسلام کو دوسرے تمام مذاہب اور فلسفوں سے ممتاز کرتی ہے۔ بلکہ انہوں نے رہبر انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو داغ دار کرنے اور ان کو ایک عام انسان کی طرح پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ جس طرح عرب قبائل کے رؤساء کی جانب سے، جو فقر و درماندگی اور جہالت کی زندگی بسر کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ایک گھٹیا، معمولی اور احمقانہ عمل قرار دیا گیا تھا۔ (العیاذ باللہ)

ادھر چند سال قبل مغرب کا پروردہ ایک شخص سامنے آیا، جو خود کو مسلمانوں کی صف میں شمار کرتا ہے، یہ شخص غلط اور بے بنیاد باتیں گھڑتا ہے اور ایسے واقعات پیش کرتا ہے جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اس بد بخت اور گھٹیا شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اصحاب رسول، اور نواسۂ رسول سید شباب اہل جنت حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم پر طرح طرح کے الزامات اور تہمتیں لگائیں اور ان سب کی شان میں بہت ہی رذیل القاب گھڑے۔

اس سے اسلام دشمن طاقتوں کو بڑی فرحت ملی، اور اس طرح وہ عزت و آبرو کا کاروبار کرنے والوں سے انعامات اور ایوارڈ کا مستحق ہوا۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول پورے طور پر صادق آتا ہے:

ولقد ذرأنا لجهنم كثيراً من الجن والإنس، لهم قلوب لا يفقهون بها، ولهم أعين لا يبصرون بها، ولهم آذان لا يسمعون بها، أولئك كالأنعام بل هم أضل أولئك هم الغافلون" (الأعراف:۱۷۹)

حقیقت یہ ہے کہ مغربی میڈیا کا کردار اب صرف فواحش و منکرات اور رذائل عام کرنے کی حد تک رہ گیا ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ اب حقائق، اصل واقعات اور دنیا کے سیاسی و

تہذیبی حالات کو اصل صورت میں کم ہی پیش کرتے ہیں۔ غور کیا جائے تو اس کی وجہ صرف یہ نظر آتی ہے کہ اس وقت میڈیا پر یہودی لابی کی بالادستی قائم ہے۔ اور وہ اس کے تمام وسائل وذرائع کو مختلف شکلوں میں صہیونی فکر کی اشاعت کے لئے استعمال کرتا ہے، اس لئے اگر عالم اسلام میں اسلامی سرگرمیوں سے متعلق یا اسلامی جماعتوں کی جانب سے انسانی حقوق کی ادائیگی اور انسانیت کے لئے مفید اور کارآمد کام کئے جاتے ہیں تو یہ سب مغربی میڈیا کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔

یہ بات تو سب کے علم میں ہے کہ یہ عالمی ذرائع ابلاغ اپنے نشریاتی پروگراموں اور ہوائے نفس کو بھڑکانے والی فلموں کو بڑی چابک دستی کے ساتھ عالم اسلام میں پھیلاتے ہیں تاکہ ان کی یہ سازش ہر گھر کے بیڈروم میں داخل ہوجائے، ظاہر ہے اس کا انسانی زندگی پر منفی اثر پڑتا ہے، جس سے پورے پورے خاندان تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں اور شریف و باعزت گھرانے ذلت وپستی اور بے حیائی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

پوری دنیا میں اسلام دشمن عناصر اپنے مقاصد بروئے کار لانے کیلئے ذرائع ابلاغ کو ایک آسان ذریعہ (Short Cut) کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس سے اسلامی شعائر کو بہت جلد پامال کیا جاسکتا ہے۔

مغربی ذرائع ابلاغ اپنی زیرکی اور ترقی کے باعث پوری دنیا میں پھیلی ہوئی اسلامی تحریکوں اور اسلام کی وسعت کو کم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں جب کہ یہ اسلامی تحریکیں انسانی زندگی کی دہلیز پر بہت ہی سلامت روی کے ساتھ قدم رکھ رہی تھیں۔ اسی طرح ان مغربی ذرائع نے اسلامی معاشرے کو علمی اور تہذیبی پسماندگی کی شکل میں نمایاں کیا ہے، جب کہ یہ دور علمی اور تہذیبی ترقی کی دوڑ میں مسابقت کا ہے۔

ساتھ ہی ان ذرائع نے مسلم نوجوانوں کی توانائیوں کو جنسی پروگراموں کے ذریعے معطل کررکھا ہے۔ یہ پروگرام ان کے جذبات کو بھڑکاتے ہیں اور زندگی کے میدان میں جدوجہد سے دور رکھتے ہیں۔ ان کے اخلاق کو تباہ و برباد کر کے انہیں لوٹ مار،

دہشت گردی اور فساد پر آمادہ کرتے ہیں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان پروگراموں کی وجہ سے وہ اسلام کی قابل فخر تاریخ سے کٹ گئے ہیں، اور اسلام کی قابل تقلید شخصیتوں سے ان کا رشتہ منقطع سا ہو گیا ہے۔ اور وہ ایک ایسے دور میں پہونچ گئے ہیں، جس کو جہالت اور تاریکی کا دور کہا جاتا ہے۔

اسلام نے اسی جیسے انسانی پستی اور انحطاط کے دور میں ابر کرم بن کر ساری انسانیت کو سیراب کیا، اور اس کو خطرناک انجام سے بچایا، اور دنیا کو اک نئی زندگی عطا کی تھی۔ یہ زندگی تمام بنی نوع انسانیت کے لئے ایک عطیۂ خداوندی اور اسلام کا عظیم تحفہ تھی۔ اس نے انسانیت کو سعادت و نیک بختی، امن و سلامتی اور رشد و ہدایت کی جانب گامزن کیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشرہ تھا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین اور تمام رسولوں اور اہل تقویٰ کا امام بنایا۔ وہ راہ راست کی جانب رہنمائی کرنے والے ایک داعی اعظم تھے، وہ ایک روشن چراغ تھے جس کی شہادت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں مختلف جگہوں پر متعدد انداز سے دی ہے۔

يـاأيهـا الـنبـي إنا أرسلناك شاهداً و مبشراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً (الأحزاب:۴۵)

هـوالـذي بـعـث فـي الأميين رسولاً منهم يتلو عليهم آياته ويـزكيهـم ويعلمهم الكتاب والحكمة، وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين. (الجمعۃ:۳)

إنا أرسلناك شاهداً ومبشراً ونذيراً لتؤمنوا بالله و رسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بكرة وأصيلا. (الفتح:۸-۹)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین تھے، آپ سارے عالم کے لئے رحمت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیش تر آیتوں میں تمام مومنین کو اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کا حکم دیا۔ اور اس کے بغیر کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر جو عظیم ترین فضل واحسان فرمایا ہے، کوئی بھی انسان اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے حضور میں شکر وسپاس ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے علم وایمان کی روشنی سے سارے جہاں کو منور کیا، اور زندگی کو عقیدۂ توحید سے آراستہ کیا۔ اور لوگوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا، انہیں خدا کے حکم سے جہالت، کینہ پروری اور عداوت و شقاوت کی تاریکیوں سے نکال کر محبت واخوت اور معرفت الٰہی کی روشنی عطا کی۔

ان کے ذریعے ایک ایسا قابل قدر انسانی معاشرہ وجود میں آیا جس نے انسان کی قدر ومنزلت کو فروغ دیا اور صالح زندگی کے لئے اس کے تانے بانے کو جہد وعمل اور جاں فشانی وسرفروشی کے دھاگے سے مربوط کر دیا۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ آپ کی عظمت شان، اللہ تعالیٰ سے آپ کے ربط وتعلق اور محبوبیت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی محبوب شخصیت ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جملہ رفعتوں کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کیا۔ اور تمام کوتاہیوں اور لغزشوں سے آپ کو پاک وصاف فرمایا اور آپ کے مخالفین کے لئے ذلت و رسوائی مقدر فرمادی۔

چنانچہ علامہ موصوف اپنی کتاب ''زادالمعاد'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور اس کے وحی کے امین ومحافظ ہیں۔ اللہ کی تمام مخلوق میں سب سے منتخب اور چیدہ شخصیت ہیں، اور اس کے بندوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے پیامبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو راہ راست اور دین مستقیم کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ سارے جہانوں کے لئے رحمت تھے۔ متقیوں کے امام اور تمام بنی نوع انسانی پر دلیل وحجت، رسولوں کی بعثت کے ایک وقفے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آپ کی اطاعت وفرماں برداری، محبت وتوقیر اور عزت وتقدیس کو واجب قرار دیا، اور آپ کے حقوق کی ادائیگی لازم ٹھہرائی، اور آپ کے بتائے ہوئے راستوں

کے سوا تمام راستوں سے روک دیا، اس لئے کہ اس کے سوا کسی میں کامیابی نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا شرح صدر کیا، اور آپ کے مرتبے کو بلند کیا، اور آپ کے دشمنوں کے حق میں ذلت وخواری لکھ دی۔

مسند میں ابومغیث الجرشی سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت تک کے لئے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا، تا آں کہ لوگ خدائے واحد کی عبادت نہ کریں، میرا رزق میرے نیزے کے سایے میں بنایا اور میرے مخالفین کے لئے رسوائی مقدر کردی، جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا شمار انہیں میں ہوگا''۔

چنانچہ جس طرح آپ کے دشمنوں کے نصیب میں ذلت آئی آپ سے محبت کرنے والوں کے حق میں عزت و ناموری لکھ دی گئی۔ عالم انسانیت پر آپ کے اس قدر احسانات ہیں کہ کوئی مؤرخ ومحقق ان کو شمار بھی نہیں کرسکتا۔

اس ترقی یافتہ دور میں یہ دنیا اپنے تمام علوم وفنون، تہذیب وتمدن، اور ایجادات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گراں بار منت ہے۔ سچ یہ ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو اس دنیا میں اخلاق وآداب، علوم وفضائل نہ ہوتے۔ انسان نہ تو اپنی قدر ومنزلت سمجھ پاتا اور نہ وہ نیابت عالم کے مرتبے پر فائز ہوتا۔ بلکہ وہ جہالت وبدبختی کی آندھیوں میں بھٹکتا رہتا۔

اس لئے ان گم کردۂ راہ عناصر کو اس سلسلے میں غور کرنا چاہئے۔ آج وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ان کے نزدیک یہ معمولی بات ہے، حالانکہ وہ نیک وبد کے درمیان تمیز نہیں کرتے، اور گناہوں اور لعنتوں سے لبریز زندگی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت کتنی عبرت ناک ہے:

كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا۔ (الکہف)

بہت بڑی بات ہے وہ جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں کہتے۔

حدیث نبوی کے قصے اور ان کا ادب

انسان کی زندگی ایک طویل قصے کی کتاب ہے، اس کتاب کے بہت سے باب ہیں، اور ہر باب کے ذیلی عناوین افسانۂ زندگی کا احاطہ کرتے ہیں۔ چنانچہ بچپن کے قصوں سے لے کر آخر عمر تک کے قصے کتاب زندگی کی زینت بنتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ ان قصوں کو آپ بیتی کے نام سے کتاب کی شکل میں شائع کر کے خراج تحسین حاصل کرتے ہیں، اور افسانوی ادب میں اس کو ایک وقیع اضافہ سمجھا جاتا ہے۔

افسانوی ادب اپنے اندر ایک خاص فنی کشش رکھتا ہے۔ اس کا مقصد انفعالیت کے عنصر کو تقویت پہنچانا، اور ذہن کو زندگی کے نشیب و فراز سے آشنا کرنا، اور حالات سے نبرد آزما ہونے کیلئے تیار کرنا ہوتا ہے۔ اگر چہ اس میں خیال کا عنصر بعض اوقات غالب رہتا ہے اور واقعات کی تاریخی اصلیت سے کم بحث کی جاتی ہے، لیکن وہ اپنی تاثیر میں کسی طرح حقیقی واقعات سے کم نہیں ہوتا۔ اور سچائی کا رنگ اس کے ہر پہلو پر چھایا رہتا ہے۔

احادیث نبویہ ادب و بلاغت کا نہایت شان دار اور درخشاں نمونہ ہیں۔ ان میں ہر صنف کا ادب بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ قانون سازی، اخلاقیات، معاملات اور اجتماعی آداب واحکام سے لے کر امثال وحکم، نصیحت آموز قصے اور نثر کے ایسے فنی نمونے موجود ہیں، جن کی مثال دنیا کے کسی ادب میں نہیں پائی جاتی۔

آج کی اس مجلس میں ہم زبان نبوت سے ادا ہونے والے عبرت انگیز قصے ذکر کریں گے۔ جس میں واقعات کو حقیقت کے روپ، سچے اسلوب اور مقصدیت کی روح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

احادیث نبویہ میں بیان کردہ قصوں کے بنیادی عناصر مندرجہ ذیل صورتوں میں پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلی صورت:

موضوع:- یعنی وہ تصور جس کے گرد پوری کہانی گردش کرتی ہے، اور جو کہانی کا اصل کردار ہوتا ہے اور اس کو زندگی بخشتا ہے۔

موضوعیت کا یہ رجحان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ تمام قصوں میں موجود ہے۔ اس لئے کہ ان کا اصل مقصد اخلاقی تربیت ہے، اور زندگی کو صحیح سمت میں لے چلنے اور اس کو ہمہ جہت بنانے کی مخلصانہ و مومنانہ کوشش ہے۔

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں تھے، اور ایک فطری دین دنیا میں لے کر تشریف لائے تھے، اور مردہ انسانیت کے جسم میں روح ڈالی تھی۔ پراگندہ معاشرے اور پریشاں حال انسانوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چلنا سکھایا تھا اور اس کو ایک نئی زندگی عطا کی تھی۔ اس لئے قصوں کی زبان میں بھی اصلاح و تربیت کا عمل جاری تھا اور ان کے کردار کو عمومیت کے اسلوب میں پیش کر کے ان کا تاثیری رقبہ دور تک پھیلانا مقصود تھا۔

اب ہم زبان نبوت سے ادا ہونے والے قصوں کے ادب کی خصوصیات مختصر طریقے سے پیش کرتے ہیں۔

پہلی خصوصیت:

مفہوم کی وضاحت اور اس کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کرنے کی قدرت ہے۔ اس لئے کہ قصے کا ادبی معیار متعین کرنے اور اس سے بھرپور استفادہ کرنے میں اس کے معانی و مفاہیم کا زبردست کردار ہے، اور اس کے مثبت اثرات دائمی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ یہی امتیاز دراصل کامیاب و ناکام قصے کے درمیان حد فاصل ہے۔

مشہور عالم و ادیب استاذ سید قطب تحریر فرماتے ہیں:

''بعض قصہ نویس واقعات وشخصیات کی تصویر کشی، قصہ نویسی کے نقطۂ نظر سے، نہایت مہارت وباریک بینی سے کرتے ہیں، لیکن وہ محدود ہوتی ہے اوران واقعات وشخصیات اور زمانی وقفے کے دائرے سے تجاوز نہیں کرتی، جیسا کہ بعض قصے نگار واقعات وشخصیات کی تصویر کشی کے بعد اپنے قاری کو ایک مکمل زندگی کے روبرو کھڑا کر دیتے ہیں اور براہ راست قاری سے مخاطب نہیں ہوتے بلکہ وہ اس کو ایک ایسی انفعالی کیفیت میں چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ متعین شخصیات کے آئینے میں پوری انسانیت کو اپنی بصیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ واقعات اس قصے کا جزو کل سب کچھ ہوتے ہیں، اور کہانی کا ہیرو ایک فرد فرید شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔

اسی طرح سے بعض قصے نگار اپنی خاص تخلیقی صلاحیت سے اس آخری حد تک پہونچ جاتے ہیں، جہاں انسانی قدریں انسانی زندگی سے زیادہ پائیدار ہو جاتی ہیں۔ اور قصے کے حالات وواقعات، کائنات اور زمانے کی ایک واضح علامت بن جاتے ہیں، اور وہ تاریخی واقعات سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ قصے نگاری کا یہ ادبی معیار بہت بلند شمار کیا جاتا ہے''۔

اس وضاحت سے ہمیں یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ قصہ دراصل پیغام زندگی ہے۔

لہٰذا کوئی محدود اور چھوٹا واقعہ قصے کا میدان نہیں بنتا، بلکہ ابدی واقعات قصے کا اصل میدان ہیں۔ اور اسی کا نام ہے ''انسانی قدریں'' جو انفرادی شخصیتوں کے آئینے میں دکھائی دیتی ہیں۔ اسی بنا پر حدیث شریف کے قصوں کا ادب، زمان ومکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے، اور وہ ایک کشادہ وسیع فضا میں قائم رہتے ہوئے ہر زمان ومکان پر چھا جانے کی بے پناہ فطری صلاحیت رکھتا ہے۔

دوسری خصوصیت: حقیقت پسندی وسچائی:

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ قصوں میں خیالی عنصر نہیں پایا جاتا، بلکہ سب کچھ واقعات کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے، یہی دراصل وہ فرق ہے، جو قصہ وافسانے کے

درمیان قائم ہے۔

اس لئے کہ افسانوی ادب زیادہ تر خیال کی بنیاد پر تخلیق پاتا ہے، اس میں زیادہ تر فرضی واقعات شامل ہوتے ہیں۔

مصر کے مشہور ادیب انورالجندی، قصے کے ادب پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے خطرناک چیز جو اس ادب کو بے قیمت بناتی ہے، وہ ہے واقعات کی دنیا سے نکل کر خیالی دنیا میں سیر کرنا۔ اور اپنے قارئین کو جو حقیقت کی تلاش میں ادب کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، ایک موہوم مقام اور خیالی دنیا میں پہنچا دینا ہے۔ یہ عمل ان کے زندہ جذبات کو مٹانے، ضمیر کو مردہ کرنے اور عقل کے صحیح پیمانوں سے ان کو محروم کرنے اور زندگی کی ذمے داریوں سے فرار اختیار کرنے کا رجحان پیدا کرد۔ نے کیلئے کافی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قصہ نگاری میں افسانوی انداز، دین کے اصولوں، اور اس کی بہتر تعلیمات کے بارے میں افسانہ نگاروں کو بہت زیادہ جری بنا دیتا ہے''۔

حقیقت پسندی کا دوسرا مفہوم:

جس حقیقت پسندی کا ذکر ہم نے نبوی قصوں کے بارے میں کیا ہے، اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حدیث شریف کے قصے انسانی زندگی کے واقعات اور اس کی حقیقت کی بالکل درست ترجمانی کرتے ہیں۔ اس میں خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہوتے ہیں۔

شر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، بلکہ اس کی نشاندہی کر کے نفس انسانی کو شر سے باز رکھنے اور اس کا معیار بلند کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حدیث شریف کا وہ واقعہ پیش نظر رہنا چاہئے۔ جس میں سو آدمیوں کے قاتل ذکر ہے۔ اور جس نے بعد میں توبہ کرنے کا ارادہ کیا۔

صحیح مسلم کی روایت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول خداﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: گذشتہ زمانے میں ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے ناحق قتل کئے تھے، جس وقت اس کو اپنے گناہ پر تنبہ ہوا، اور اس نے اس سے توبہ کا ارادہ کیا، تو اس نے دنیا کے سب سے بڑے عالم کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا، تا کہ ان کے پاس جا کر توبہ کر سکے۔

چنانچہ اس کو ایک راہب کا پتہ ملا، اس نے ان کے پاس جا کر بتایا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں۔ اس کی بھی کوئی توبہ ممکن ہے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں!! چنانچہ اس نے اس کو بھی قتل کر کے سو کی تعداد پوری کر دی۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ برابر بے چین رہا۔ چنانچہ اس کو ایک عالم کا پتہ بتایا گیا۔ وہ ان کے پاس گیا اور سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ توبہ سے کون سی چیز مانع ہے؟ عالم نے اس سے کہا کہ فلاں جگہ جاؤ! وہاں ایسے لوگ تم کو ملیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں گے، تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ، اور وہیں بود و باش اختیار کر لو، اور پھر اپنے وطن لوٹ کر نہ آنا! اس لئے کہ وہ بہت بری جگہ ہے۔

چنانچہ وہ اس جگہ روانہ ہوا۔ اور ابھی نصف راستے ہی تک پہنچا تھا کہ اسے موت آ گئی۔ اس وقت رحمت اور عذاب، دونوں کے فرشتے وہاں پہونچے۔ رحمت کے فرشتے نے کہا کہ وہ سچی توبہ کی غرض سے نکلا تھا، عذاب کے فرشتے نے کہا کہ اس نے کبھی کوئی اچھا عمل نہیں کیا۔

اسی بیچ ایک دوسرا فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہوا۔ پہلے فرشتوں نے اس کو حکم بنایا۔ اور یہ طے پایا کہ جس جگہ سے یہ آدمی چلا تھا، اور جہاں اسے جانا تھا، اس پوری زمین کی پیائش کر لی جائے اور جس سے وہ قریب ہو اس کے مطابق فیصلہ کر لیا جائے۔ معلوم ہوا کہ وہ صالحین کی مطلوبہ بستی سے زیادہ قریب تھا، راوی کا بیان ہے کہ: ”جب اسے موت کا یقین ہو گیا تو وہ اپنے سینے کے بل توبہ والی زمین کی جانب کھسک کر آگے بڑھ گیا، اور یہی ادا

اس کے حق میں فیصلہ کن ثابت ہوئی، اور رحمت کے فرشتے نے اس کی روح قبض کر لی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔

قصے میں عبرت کے چند اہم پہلو:

قصے سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱- اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گنہ گار بندے کی بھی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے: یاعبادي الذین أسرفوا علیٰ أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله، إن الله یغفر الذنوب جمیعاً ۔ (اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر حد سے زیادہ زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے (تم بھی) مایوس مت ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتے ہیں)۔

۲- علم کی بدولت انسان ہلاکت سے بچ سکتا ہے۔ اور جو شخص صرف عبادت میں مشغول ہو، وہ عالم کے بمقابلہ انسان کی صحیح رہنمائی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ راہب کے عمل سے ظاہر ہے جب کہ عالم کے ذریعے اس کو نجات ملی۔

۳- جس جگہ معصیت کا دور دورہ ہو، وہاں سے ہجرت کر جانا قرین ایمان ہے۔

(۲) دوسری صورت، اسلوب بیان:

قصے کی ظاہری ہیئت خوب صورت بنانے کے لئے طرز ادا کا حسن ضروری ہے، اور بلند تصورات کی ترجمانی کیلئے بلند، پاکیزہ اور مؤثر اسلوب بیان کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سے موضوع کی عظمت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے، اور اس کی قیمت متعین کرنے میں دشواری پیش نہیں آتی۔

اسلامی ادب کے تنقید نگار اس بات پر متفق ہیں کہ قصے کے واقعات اور شخصیات باہم ایک دوسرے سے ایسی منطقی ہم آہنگی رکھتے ہیں کہ ان کے مجموعے سے ایک وحدت پیدا ہونا ناگزیر ہے، جو مفہوم کو عام فہم انداز میں پیش کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔

اسلوب بیان کی تمام خوبیاں حدیث شریف کے قصوں میں پوری طرح جلوہ گر ہیں،

ہر لفظ اپنے مقام پر درست اور ہر لفظ کا درجۂ حرارت معنی وحالات کے مطابق گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ الفاظ اور معانی کے درمیان نابرابری نہیں پائی جاتی، قصے کے تمام اجزائے ترکیبی خواہ موضوع سے متعلق ہوں یا اس کے کردار سے، یا جگہ اور وقت سے، انتہائی موزوں اور مناسب ہوتے ہیں۔

اس اسلوب کی کچھ خصوصیتیں:

اگر چہ حدیث شریف کے قصوں میں عموماً کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ لیکن ان کو پیش کرنے کے لئے جو اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، اس کے الفاظ نہایت پاکیزہ اور فصیح ہوتے ہیں، معیار سے فروتر عمل کو بیان کرنے کے لئے نہایت بلیغ عبارت اور مؤثر جملے استعمال کئے جاتے ہیں۔

مثلاً یہ مفہوم ادا کرنے کے لئے کہ: ''خدا کے واسطے میرے ساتھ برائی نہ کرو!!۔ یہ جملہ استعمال ہوا ہے: "إتق الله ولا تفض الخاتم إلا بحقه" یعنی اللہ سے ڈرو، اور مہر ناحق مت توڑو!۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں نبوی قصوں میں موجود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس اسلوب میں مفہوم کی وضاحت کے ساتھ، پاکیزگی کی صفت پوری طرح نمایاں ہے۔ جب کہ آج کے افسانوی ادب میں پھوہڑپن اور جنسی جذبات بھڑکانے والے غیر اخلاقی طرز بیان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

دوسری خصوصیت:

اختصار: یعنی کم الفاظ میں زیادہ معانی بلا تکلف وتصنع ادا کرنا۔ اس سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ ذہن قصے کے موضوع پر مرکوز رہتا ہے۔ جس سے مقدمات ونتائج کے مابین ربط قائم رہتا ہے، اور قصے کی تاثیری صلاحیت دوچند ہو جاتی ہے۔

(۳) نبوی قصے کا تیسرا اہم امتیاز، مقصدیت:

اس اسلوب میں مقصدیت کی روح شروع سے آخر تک جاری رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قصہ بذات خود مقصود نہیں اور نہ اس کا مقصد تفریح اور صرف وقت گزاری ہے، بلکہ ادب کی یہ صنف بھی اس عظیم مقصد تک پہنچانے کے لئے ہے، جو انسان کو اعلیٰ اخلاق وصفات سے مزین کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق استوار کرتا ہے، اور وہ دنیا میں اس کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اپنی تمام کوششیں صرف کرتا ہے، اور ایک صالح معاشرہ تعمیر کرنے میں عظیم کردار ادا کرتا ہے۔ یہی دراصل وہ بلند انسانی مقصد ہے، جو زندگی کے اندر اعلیٰ قدروں کی آبیاری کرتا ہے۔

قصے کے اندر مقصدیت کی روح پیدا کرنے کے لئے کوئی دینی و اخلاقی موضوع اختیار کرنا بھی ضروری ہے، اور اس موضوع کو ادبی رنگ دینے کے لئے حقیقت پسندی، اور طرز ادا کی پاکیزگی کے ساتھ، زمان و مکان کا تعین اور مذکورہ افراد کے کردار کی وضاحت مؤثر انداز میں کرنا، اور بے جا طوالت سے اس کو مجروح نہ کرنا بھی ایک لازمی امر ہے۔

مروجہ ادب میں قصے کی یہ صنف بڑی حد تک ان اوصاف سے خالی ہوتی ہے، یہ ایک مبہم انداز سے شروع ہو کر ایک بے مقصد اور گنجلک انداز میں ختم کر دی جاتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قاری اسے پڑھ کر کچھ حاصل کرنے کے بجائے بہت کچھ کھو دیتا ہے۔ اور بعض اوقات اس سے متاثر ہو کر اخلاقی جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔

حدیث شریف کا ایک مشہور قصہ:

اب ہم آپ کے سامنے وہ مشہور قصہ پیش کرتے ہیں جو اعلیٰ ادبی حسن کے ساتھ ادب کی جملہ خصوصیتوں پر مشتمل ہے۔

اس کا موضوع دراصل ایک تقابلی موازنہ ہے، اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنے اور اس کی

ناشکری کے درمیان۔ یہ ایک عظیم درس عبرت ہے، افراد کے لئے بھی اور جماعتوں کے لئے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر ہے: "من شکر فإنما یشکر لنفسه ومن کفر فإن ربي غني کریم"۔

انسان کی پوری زندگی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر ادا کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ لیکن ایک حساس انسان اپنا دل ہمیشہ شکر کے جذبات سے لبریز پاتا ہے۔ اور مردہ حس شخص بجائے شکر کے ناشکری کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے اس قصے میں تازیانۂ عبرت اور سرکشی سے باز رہنے کی تلقین ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے، ایک کوڑھی، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا، اور اس نے پوچھا: تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا: میری جلد اچھی ہوجائے اور یہ مرض دور ہوجائے، جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا، اور وہ بالکل اچھا ہوگیا۔ پھر پوچھا کہ: تجھے کون سا مال سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا: اونٹ۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ اونٹنی دی اور برکت کی دعا کی۔

پھر وہ گنجے کے پاس آیا اور پوچھا: تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا گنجا پن دور ہوجائے، جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ بھی بالکل ٹھیک ہوگیا۔ پھر اس سے بھی دریافت کیا کہ تجھے کون سا مال محبوب ہے؟ اس نے کہا: گائے۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دی اور برکت کی دعا کی۔

پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی سوال کیا۔ اس نے کہا: میری بینائی واپس آجائے اور میں دنیا دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور وہ بھی اچھا ہوگیا۔ پھر مال کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: بکری۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ

بکری دی، اور برکت کی دعا کی۔ تینوں کو اللہ نے خوب برکت دی، اور کچھ ہی دنوں میں ان کے جانوروں سے جنگل بھر گئے، اور سب خوشحال ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بغرض امتحان اسی فرشتے کو پہلی صورت میں ان کے پاس بھیجا، وہ پہلے کوڑھی کے پاس گیا، اور اس سے کہا: میں ایک مسافر ہوں، میرا زادِ سفر ختم ہو گیا۔ آج میرا کوئی مددگار نہیں ہے، سوائے اللہ کے اور پھر تم سے امید ہے! اس لئے کہ میں اس اللہ کے نام پر جس نے تجھ کو اچھی رنگت اور عمدہ کھال دی، ایک اونٹ مانگتا ہوں کہ اس پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچ جاؤں۔ وہ بولا: چل دور ہو، مجھے اور بہت سے حقوق ادا کرنے ہیں، فرشتے نے کہا شاید میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تم کوڑھی نہیں تھے، کہ لوگ تم سے گھن کرتے تھے، اور کیا تم مفلس نہیں تھے، پھر خدا نے تمہیں اس قدر مال عطا فرمایا: اس نے کہا: واہ! خوب، یہ مال تو میری کئی پشتوں سے چلا آ رہا ہے۔ فرشتے نے کہا: تو اگر جھوٹا ہے تو خدا تجھے پھر پہلے ہی جیسا کر دے۔ پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی صورت میں آیا۔ اور ویسا ہی سوال کیا، اس نے بھی ویسا ہی جواب۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھے ویسا ہی کر دے۔ پھر اندھے کے پاس آیا، اور کہا: میں ایک بے سروسامان مسافر ہوں۔ آج صرف خدا تعالیٰ اور پھر تم سے مجھے پوری توقع ہے کہ میری مدد کرو گے، میں اللہ کے واسطے تم سے ایک بکری مانگتا ہوں تا کہ اسے اپنا ذریعۂ سفر بنا سکوں۔ اس نے کہا: بے شک میں اندھا تھا، خدائے تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے مجھے نگاہ عطا فرمائی، جتنا تیرا جی چاہے لے جا اور جتنا چاہے چھوڑ جا! فرشتے نے کہا: تو اپنا مال اپنے پاس رکھ، مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ فقط تم تینوں کی آزمائش مقصود تھی سو ہو چکی۔ خدا تجھ سے راضی ہوا۔ اور ان دونوں سے ناراض!!

سبق آموز پہلو:

اس قصے سے سب سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ہمہ وقت استحضار کرتے رہنا چاہئے، اور ادائیگی شکر میں رطب اللسان رہنا چاہئے۔ اور اس کا عملی طور

پر بھی پورا اظہار ہونا چاہئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا جتنا ہی شکر ادا کیا جائے، اسی قدر ان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور ناشکری کی سزا بہت ہی سخت ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"لئن شكرتم لأزيدنكم، ولئن كفرتم إن عذابي لشديد"۔

اس قصے سے شکر ادا کرنے کا انداز بھی ملتا ہے، جیسا کہ نابینا کے عمل سے ظاہر ہے۔ اور ناشکری کی سزا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ جو اس قصے کے دونوں اشخاص کو ملی؟۔

اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کے ذریعے بندوں کا امتحان لیتے ہیں، اور تمام نعمتوں میں بڑی نعمت ''عافیت'' ہے۔ ماثور دعا ہے:

اللهم إني أسئلك العفو والعافية في الدين والدنيا الدنيا والآخرة"

(اے اللہ! میں آپ سے معافی اور عافیت کا سوالی ہوں، دین، دنیا اور آخرت میں ہر جگہ۔)

ظاہر ہے عافیت کا تعلق سب سے پہلے اور زیادہ تر انسانی جسم سے ہے۔ جسم کی صحت انسانی زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو زندگی بجائے خود ایک مستقل عذاب بن جائے۔ اور انسان اپنی انسانی، اخلاقی اور دینی ذمے داریاں ادا کرنے سے قاصر رہے۔

اس کے علاوہ اور بھی اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ موجود ہے۔ مثلاً: اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اللہ کے نام پر ضرورت مندوں کو دل کھول کر صدقہ کرنا، اور سائل کو جھڑکنے کے انجام بد سے ڈرنا، اور آخر میں ایک بار پھر اللہ کی طرف جذبۂ شکر کے ساتھ متوجہ ہونا، تنگی کی حالت میں صبر و شکر اور خوشحالی میں ہر طرح خراج شکر ادا کرنا، ایک کامیاب انسان کی علامت ہے۔

☆☆☆

سیرت طیبہ کا پیغام
عام مسلمانوں کے نام!

''یہ مضمون ایک برجستہ تقریر ہے جو ۱۹۹۱ء مطابق ۱۴۱۱ھ لکھنؤ کے ایک محلے میں، جہاں مسلمانوں کی خاصی تعداد رہتی ہے، ربیع الاول کے موقعے پر کی گئی تھی، میرے ایک عزیز دوست نے اسے ٹیپ کرلیا تھا، اور پھر اسے نقل کر کے دیا۔ الحمدللہ یہ تقریر جوں کی توں اس کتاب میں شامل کی جارہی ہے، اور نفع عام کی غرض سے اشاعت پذیر ہورہی ہے''۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على محمد صلى الله عليه وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بأحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين.

أما بعد:

حاضرین جلسہ اور شرکائے کرام!

آپ کا یہ جلسہ جس مقصد کیلئے منعقد کیا جارہا ہے، وہ بہت عظیم ہے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو یاد کرنا، حیات طیبہ کے کچھ حالات سننا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرنا۔ یوں تو سیرت پاک کے نام سے بڑی بڑی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ ان محفلوں میں شرکت کرنے کے بعد بھی ہماری زندگی کے اندر کوئی خاص تبدیلی اور کوئی ایسی امتیازی بات نہیں دکھائی دیتی جو اس محفل کی طرف منسوب ہو۔ زندگی کا جو معمول پہلے تھا جس طرح ہمارے لیل ونہار گزر رہے تھے، ہم جن مشاغل کے اندر پہلے اپنی زندگی گزار رہے تھے، جس انداز سے ہم پہلے جی رہے تھے اس جیسی محفلوں میں طویل

شرکت کے بعد بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ہم آج بھی اسی بے حسی کے ساتھ اور اسی بے تعلقی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور گویا یہ طے کر رکھا ہے کہ انہیں حالات کے ساتھ زندگی کے یہ لمحے گزر جائیں گے۔

ہونا یہ چاہئے تھا کہ سیرت کی محفلوں میں شرکت کے بعد جب ہم واپس جاتے تو ہمارے اندر کی دنیا تبدیل ہو چکی ہوتی، اور ہمارے عمل کے اندر محسوس ترقی ہو چکی ہوتی، ہمارے خیالات بدل چکے ہوتے، ہمارے وہ اقدامات اور سرگرمیاں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے ان میں بھی تبدیلی آئی ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا، کاش! آج کی یہ مختصر مجلس اس تبدیلی کا باعث بنے۔ ہماری زندگی کے اندر تغیر پیدا ہو، ہم اپنے فکر کے اندر تبدیلی لائیں، ہمارا تعلق دین سے زیادہ سے زیادہ پیدا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سن کر ایسی کیفیت پیدا ہو کہ ہم اس کے بغیر کسی طرح اپنی زندگی کو بہتر نہ سمجھ سکیں۔ ہمارے اندر جب یہ تبدیلی آنے لگے، ہمارے اندرون کا جب یہ حال ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے منعقد ہونے والی مجلس میں شرکت کے بعد ہمارا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں کے اندر جاگزیں ہو جائے، حضور کی محبت تمام محبتوں پر غالب آجائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ ہمارے رگ و پے میں سرایت کر جائے، تب سمجھئے کہ ہم نے کچھ فائدہ حاصل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بادروا بالأعمال الصالحة، فستكون فتن كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمنا و يمسي كافراً، ويمسي مؤمنا ويصبح كافراً، يبيع دينه بعرض من الدنيا، أو كما قال عليه الصلاة والسلام"۔ اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرو، اس لئے کہ وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے کہ رات کی تاریکیوں کی طرح یہ تاریک فتنے تم کو ہر طرف سے گھیر لیں گے، اور ان فتنوں میں آدمی کو یہ یاد نہیں رہ جائے گا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، اگر وہ مسلمان ہے تو اس کے اسلام کے تقاضے کیا ہیں، اسکو زندگی کس طرح بسر کرنی چاہئے، شریعت کے ساتھ اس کا

کیا تعلق ہونا چاہئے، اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے، اس کو کچھ نہ یاد رہ جائے، صبح ہوتے ہوتے اس کے خیالات بدل جائیں، اور وہ اپنے آپ کو اسلامی معاشرے کا ایک فرد سمجھنے لگے، لیکن فتنے اتنے تاریک، اتنے گہرے، اتنے دبیز اور اس قدر انسان کو بے دست و پا کرنے والے ہوں گے کہ شام ہوتے ہوتے پھر اس کے خیالات میں تبدیلی آجائے گی اور وہ اسلامی خیالات بدل جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کی اطاعت کا جو تعلق ہے، وہ اتنا کمزور پڑ جائے گا کہ اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ جب ایسے فتنے آئیں تو ان فتنوں کے آنے سے پہلے اور ان کا شکار ہونے سے پہلے تم نیک کاموں میں جلدی کرو، اس لئے کہ یہی اعمال صالحہ تمہاری کامیابی، اللہ کی نظروں میں تمہاری مقبولیت، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن شفاعت سے وابستگی کا ذریعہ ہیں۔ کیا یہ اعمال صالحہ ہیں؟ کہ آدمی دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے، شریعت کا پابند ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ اپنے دل کے اندر رکھتا ہے، خدا کو ایک مانتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، دعویٰ کرے کہ وہ نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، حج کرتا ہے، صاحب نصاب ہو تو زکوۃ دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ دائرۂ اسلام میں باقی نہیں رہ پاتا، بلکہ فتنوں کی زد میں اس طرح آجاتا ہے کہ فتنے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، اور اسے یہ یاد نہیں رہ جاتا ہے کہ یہ وہی مسلمان ہے جو ابھی یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس کو ایک مانتا ہوں، اس کے ساتھ کسی معبود، کسی الٰہ، کسی خدا کو شریک نہیں سمجھتا، اور جو اسلام کی تمام تعلیمات پر اپنے آپ کو ثابت قدم سمجھ رہا تھا، وہ اس قدر جلد اپنی بات بھول گیا اور اس راستے سے ہٹ گیا جو راستہ اسلام اور نجات کا تھا، جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه، ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله" اس راستے پر چلنے والا انسان جب فتنوں کی تاریکیوں میں آتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو فتنوں کے سپرد کر دیتا ہے، اور ان کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے، اور ہتھیار ڈال دیتا ہے تو وہ توحید کی روشنی

سے محروم ہو جاتا ہے اور اس سے وہ روشنی چھین لی جاتی ہے، خواہ تھوڑی ہی دیر کیلئے ہو۔

جب فتنے اتنے دبیز، گہرے، تاریک اور اس قدر انسان کو غافل کر دینے والے ہوں اور اس کو گھیر لیں، تو سمجھ لیجئے کہ اب ہمارے ایمان کی خیر نہیں! ایسی حالت میں کیا چیز ہم کو نجات دلا سکتی ہے، کون سی چیز ہم کو ایمان پر قائم رکھ سکتی ہے، اس کا جواب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اور حکم دے کر فرمایا ہے کہ: اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرو، دوڑو، سبقت کرو، اس لئے کہ یہی اعمال صالحہ فتنوں کی تاریکیوں اور ان کی دبیز چادروں سے تم کو نجات دلا سکتے ہیں۔

اگر اعمال صالحہ نہیں تو ہمیں شکوے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اگر عمل صالح خود بھی ہماری زندگی کے اندر نہ ہو اور ہم یہ کہتے رہیں کہ ہر جگہ فتنے ہی فتنے ہیں۔ ہر طرف برائیوں اور بداخلاقیوں کا دور دورہ ہے، تو ہمیں یہ کہنے کا حق نہیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر وقت فتنوں کی زد میں ہیں۔

میرے دوستو اور بھائیو!

آپ اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے، آپ دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب ہم کہاں ہیں؟ کیا ہم اعمال صالحہ کے زیور سے اپنی زندگی مزین کر رہے ہیں؟ ہماری زندگی کے اندر وہ خیر موجود ہے جس کی ضمانت اسلام نے لی ہے؟ اسلام سے اگر ہمارا عملی رشتہ مضبوط ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ خیر ہمارے اندر موجود نہ ہو جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر، وتؤمنون بالله! ۔ اللہ نے تم کو خیر امت بنایا جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی، تم اچھی باتوں کا حکم دو، اور بری باتوں سے روکو۔ تم خیر امت تو اس وقت تھے جب ان لوگوں کو جو برے راستوں پر کھڑے ہوئے تھے، نیکیوں کی طرف بلاتے تھے، عمل صالح کی دعوت دیتے تھے اور ان کو بتاتے تھے کہ یہ راستہ تمہاری کامیابی کا نہیں ہے، اور اس راستے میں تمہارے لئے کسی قسم کا خیر نہیں ہے، اس راستے پر چل کر تم منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہونچ سکتے۔ یہ ٹیڑھا ذیلی راستہ ہے جو تمہیں کہیں لے جا کر اوندھے منہ گرا دے گا۔

جب تک تم یہ کرتے رہے، اس وقت تک خیر امت تھے، یہ تھا وہ عمل صالح جو اس امت کے سپرد کیا گیا۔ خیر امت کا بہترین عمل اور اس کی سب سے بڑی ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھی، صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: يا رسول الله! أخبرني بعمل يدخلني الجنة، ويباعدني عن النار۔ آپ نے فرمایا: "لقد سئلت عن أمر عظيم، وإنه يسير على من يسره الله عليه، تعبدالله ولا تشرك به شيئا!، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت" ۔یعنی مجھے ایسا عمل بتادیجئے جو میرے لئے جنت میں داخلے کا ذریعہ بنے اور جہنم سے نجات دلا دے، آپ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے! یہ ہے تو بہت مشکل کام، لیکن ان لوگوں کے لئے آسان ہے، جن کے لئے اللہ آسان کردے۔ اور فرمایا کہ وہ کام یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور حج بیت اللہ ادا کرو۔

اللہ کی عبادت کے لئے کیا تیاریاں کرنا ضروری ہوتی ہیں؟ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ انجام دینے کیلئے ہمیں کیا بننا پڑتا ہے؟ اور اللہ کی عبادت صحیح طریقے سے ادا کرنے کیلئے کون سا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟ کیا یہ کہ ہم اپنی تمام بداعمالیوں کے ساتھ ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کرلیں اور بس! اور یہ سمجھیں کہ اللہ کا حق ادا ہوگیا! اللہ کے ساتھ ہر چیز کو شریک کرتے ہوئے، چاہے ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو، ہم یہ سمجھ لیں کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہوگیا اور اس کی عبادت پوری ہوگئی، بالکل صحیح نہیں۔

اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اللہ تم کو دیکھ رہے ہیں۔ (أن تعبدالله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك) جس کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ دیکھ رہا ہے اور تم اس کو دیکھ رہے تو وہ عبادت کتنی اچھی اور کتنی عظیم الشان ہوگی؟ آپ دن رات اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ایک ملازم جب آپ کے

سامنے کام کرتا ہے تو وہ کتنے اچھے طریقے سے اور کتنی ذمے داری کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہمارے آقا ہمیں دیکھ رہے ہیں، وہ کام بہتر سے بہتر انداز سے انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ وہ اس سے خوش ہو اور خوش ہو کر اس کو زیادہ سے زیادہ انعام دے، اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دے اور اس کے لئے مزید جو بھی سہولتیں ہو سکتی ہیں، ان کو بہم پہنچاوے۔

اور اگر یہ نہ سمجھتے ہوں کہ آپ اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں، تو یہ سمجھئے کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے تو وہ عبادت کیسی اچھی، کتنی شان دار اور کتنی قیمتی ہوگی، اس کے اندر کتنا خشوع و خضوع ہوگا! لیکن اگر آپ یوں ہی نماز پڑھ رہے ہیں، یوں ہی عبادت کر رہے ہیں، یوں ہی کلام اللہ کی تلاوت کر رہے ہیں، اور آپ کا دل کہیں، دماغ کہیں اور ہو اور آپ کھڑے تو ہیں نماز میں لیکن آپ کا ذہن حاضر نہیں، خشوع و خضوع کا کہیں پتہ نہیں، آپ کے دل میں اس کا کوئی احساس نہیں کہ آپ کا خدا آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ اس کو دیکھ رہے ہیں تو بھلا وہ نماز کیسی ہوگی؟۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو"۔

آپ یہ بتائیے کہ جب ہم اللہ کی عبادت اس حال میں کریں کہ یہ خیال ہی نہ رہ جائے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، تو کیا وہ عبادت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگی؟ کیا اللہ کی نظروں میں اس کی کوئی قیمت ہوگی؟ آپ عبادت تو اللہ کی کر رہے ہیں اور آپ کا ذہن بازار میں کام کر رہا ہے، جسم آپ کا مسجد میں ہے اللہ کے سامنے، اللہ کے دربار میں کھڑے ہیں، لیکن آپ کا دل و دماغ دوسری جگہ ہے۔ کیا یہ اللہ کے ساتھ اللہ کی عبادت میں شرک نہیں ہے کہ آپ نے اللہ کی عبادت میں اپنے کاروباری ذہن کو شریک کر دیا؟ جس مسئلے کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں!! اور صرف یہی نہیں کہ جائز معاملات میں، بلکہ اکثر ناجائز

معاملات کے اندر، مالی معاملات کے اندر اور نفع ونقصان کے معاملات کے اندر ذہن چلتا ہے، ادھر مسجد میں کھڑے ہوکر بظاہر اللہ کی عبادت ہورہی ہے، اور حقیقتاً اللہ کی عبادت کے ساتھ شرک کیا جارہا ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف: تعبداللہ" نہیں فرمایا: "تعبداللہ ولا تشرك به شيئاً" اس لئے کہ شرک ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے بہت کم بچ پاتا ہے۔ جو لوگ بہت عظیم المرتبت ہوتے ہیں، جن کا تعلق اللہ سے بہت گہرا ہوتا ہے، وہی اللہ کی عبادت کے وقت اللہ کی طرف پوری طرح ہمہ تن، دل سے بھی دماغ سے بھی، جسم وروح سے بھی اور اپنے اعضاو جوارح ہر چیز سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں کسی چیز کا گزر نہیں۔ لیکن اگر ہمارے اندر اعمال کی وہ پختگی نہیں ہے اللہ سے ہمارا وہ گہرا تعلق نہیں جو اس سے ہونا چاہئے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں جو جان دی تھی اس جان کی قیمت ہم نے ادا نہیں کی: إن اللہ اشتری من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون ويقتلون، وعداً عليه حقا في التوارة والإنجيل والقرآن ومن أوفى بعهده من الله فاستبشروا ببيعكم الذي بايعتم به، وذلك هو الفوز العظيم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے خرید لیا، مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو، کس چیز کے بدلے؟ اس کی قیمت انہوں نے کیا دی ہے؟ جان ومال اسی نے دیا اور اسی نے اس جان ومال کو خرید لیا جنت کے بدلے میں!!

تو اگر ہمیں اللہ سے وہ تعلق ہے، وہ محبت ہے، اللہ کی راہ میں وہ جذبۂ فنائیت ہے تو ہمارے سارے کام بہتر ہوں گے، ہماری زندگی صرف اللہ کے لئے گزرے گی اور اس کا ایک اک لمحہ اللہ کے لئے ہوگا، اللہ ہر وقت ہمارے ذہنوں میں ہوگا، ہر کام میں اللہ کا خیال ہمارے دل میں ہوگا اور جب ہماری یہ کیفیت ہوجائے گی تو ہمارا ہر عمل اللہ کی ناراضگی اور شرک کے شائبے سے پاک اور محفوظ ہوگا۔

اگر یہ دنیا کے خادم اپنے فرضی اور وقتی آقاؤں کے لئے جان دے دیتے ہیں، تو وہ

اللہ جس نے ہم کو سب کچھ دیا ہے، ہمیں جان دی، انسان بنایا، اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا، اس مالک حقیقی کیلئے ہم نے کیا کیا؟ کس طرح ہم اس پر مرمٹے؟ اس کی راہ میں ہم نے کون سی جان دے دی؟ کون سا مال خرچ کر دیا؟ اس کا کون سا حق ادا کر دیا؟

اللہ نے ہمارے ساتھ اتنے احسانات کئے، جن کو ہم کبھی شمار نہیں کر سکتے، وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها ۔تم اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو کبھی شمار نہیں کر سکتے، اس اللہ کے لئے ہماری کیا خدمت ہے؟ اس کے لئے کون سی قربانی پیش کی گئی؟ اس اللہ کی عبادت ہم نے کس طرح انجام دی؟ کہنے کو نمازی ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور بہت ہی پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن نماز کے اندر بھی ہمارا دل ادھر یک سو نہیں رہتا۔

نماز پڑھتے ہیں لیکن لوگوں سے جھگڑتے بھی ہیں، بے ایمانی بھی کرتے ہیں، خیانت بھی کرتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں، جو گناہ کبیرہ ہے، جھوٹ بولنا تو فیشن ہو گیا ہے، جو لوگوں کے سامنے جھوٹ بول کر اپنی ذہانت کا ثبوت نہ دے تو سمجھئے کہ وہ بیوقوف ہے، لیکن جھوٹ کیا ہے؟ گناہ کبیرہ ہے!! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الصدق ینجی والکذب یهلك" سچائی آدمی کو نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ کام چل جائیگا، لیکن کام نہیں چلتا۔ انجام کار کے اعتبار سے تو ہلاکت ہی ہوتی ہے۔

غرض حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی اس کے اندر اسلام کی تمام تعلیمات آجاتی ہیں۔ اگر ان تمام باتوں پر ہم نے عمل کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ہمارے اوپر ثابت اور متحقق ہوتی ہے کہ ہمیں جنت میں داخلہ ملے، لیکن آپ سوچئے کہ اپنے حالات، معاملات، اعمال، کردار، زبان اور اپنے رویے سے کسی درجے میں بھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق ہیں؟ نہ ہماری زبان درست ہے، اور نہ ہمارے اعمال و اخلاق بہتر ہیں، اور نہ ہمارے اندر فضائل اور نیکیوں کا وہ جذبہ ہے جو ایک سچے مسلمان کے اندر ہونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات ہیں۔ اگر ان پر ہم نے عمل نہ کیا تو

ہمارے اوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی صادق آئے گی کہ ''اگر تم نے اعمال صالحہ کی طرف سبقت اور جلدی نہیں کی تو تم کو تاریک رات کے مانند سیاہ ٹکڑوں جیسے فتنے ہر طرف سے گھیر لیں گے، جن کا تم مقابلہ اور سد باب نہیں کر سکتے''۔

میرے دوستو اور عزیزو!

آپ غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جو کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے، آپ کے تمام معاملات، آپ کی زندگی کے تمام لمحات ہماری نظروں کے سامنے اور سیرت کی کتابوں میں مدون ہیں۔ ان کو پڑھ کر ہم کون سی چیز اخذ کرتے ہیں اور اس کو اپنی زندگی میں داخل کرتے اور اس کو اپناتے ہیں، اور کون سی چیز چھوڑتے ہیں؟۔

اگر ہم اپنے ایمان میں سچے ہیں، اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت کا دعویٰ سچا ہے، اور آپ کی اطاعت کا سچا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں تو ہمیں اس خلق عظیم کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنی چاہئے، جس کو لے کر آپ اس دنیا میں تشریف لائے، آپ نے اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: "إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" میں صرف اس لئے بھیجا گیا ہوں، تاکہ دنیا کے اندر بلند اخلاقی کا اعلیٰ معیار قائم کر کے دکھادوں، کہ ایک مسلمان کو ان مکارم اخلاق کا کس طرح پابند ہونا چاہئے، اس کی زندگی کے ایک ایک لمحے کا تعلق اسی خلق عظیم سے ہونا چاہئے، اور اسی خلق عظیم کی روشنی میں اس کی زندگی بسر ہونی چاہئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آپ کی باتوں پر پوری طرح عمل کرتے اور کسی طرح اس بات پر راضی نہ ہوتے کہ آپ کا فرمان چھوڑ بیٹھیں، یا اسے بھول جائیں یا اس سے غفلت برت لیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت وہ چیزیں ہماری نظروں کے سامنے رہیں، ہماری زندگی اور ہمارے رگ وپے میں سرایت کر جائیں۔ ہم کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں، ایمان تازہ کریں اور تمنا کریں کہ ہمیں بھی ایسی زندگی حاصل ہو، ہم کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں کہ اللہ کا سچا بندہ دکھائی دے رہا ہے۔ ہم کو دیکھ کر اللہ کی یاد ان کے دلوں میں تازہ ہوجائے، ہماری زندگی

ایسی ہونی چاہئے! ہماری زندگی ایسی نہیں ہونی چاہئے کہ ہم کو دیکھ کر لوگ نفرت کریں اور کہیں کہ دیکھو وہ جھوٹا آرہا ہے، بے ایمان آرہا ہے، جھگڑالو آرہا ہے۔

ہم جس ماحول میں زندگی بسر کررہے ہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ ہم لوگوں کے سامنے سچی اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرتے۔ لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے وہ نمونہ پیش کررہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اسلام سے نفرت کرنے لگیں۔ اور کہیں کہ اب اسلام اس قابل نہیں کہ چل سکے۔ کیوں کہ اس کی زندہ مثال مسلمانوں کی شکل میں موجود ہے۔ اگر اسلام کے اندر طاقت ہوتی، اور اسلام اگر اللہ کا سچا دین ہوتا تو مسلمان آج اس زبوں حالی اور بے چارگی میں مبتلا نہ ہوتے۔

لیکن اسلام سے ہمارا رشتہ نام کا رہ گیا ہے، کام کا نہیں، جب کبھی ضرورت پڑتی ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور جہاں دیکھتے ہیں کہ یہاں مسلمان کہنا مناسب نہیں ہے وہاں ہم پہلوتہی کرجاتے ہیں۔ مردم شماری کے خانے میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوادیتے ہیں، اس لئے کہ آباواجداد سب مسلمان چلے آرہے ہیں، اب کیسے یہاں غیر مسلم لکھوائیں۔

بھائی! اگر ہم صرف مردم شماری والے مسلمان ہیں اور موروثی طور پر مسلمان چلے آرہے ہیں، اور اعمال کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں اور اسلام کی تعلیمات ہمارے اندر زندہ نہیں ہیں، تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو کس خانے میں رکھیں۔ کوئی ایسا بیچ کا راستہ نکال لیں جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق اور کوئی امتیاز نہ ہو۔

میرے دوستو اور بھائیو!

مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر مکمل طریقے سے عمل پیرا ہوں۔ اگر ہم کچھ چیزوں پر عمل پیرا ہیں اور کچھ چیزوں پر نہیں تو ہم پورے مسلمان نہیں ہوسکتے۔ اور یاد رکھئے! کہ مسلمان یا تو پورا پورا ہوگا یا پھر نفاق ہوگا۔ یہاں بیچ کی کوئی راہ ہے ہی نہیں: "یا أیھا الذین آمنوا ادخلوا في السلم کافة" ۔ اے مسلمانو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ ہر اعتبار سے مسلمان بن جاؤ۔ جسم بھی مسلمان، جان بھی

مسلمان، صورت سے بھی مسلمان، سیرت سے بھی مسلمان، قول کے لحاظ سے بھی مسلمان، عمل کے اعتبار سے بھی مسلمان۔

اگر تم ایسا نمونہ اور اسلام کے سچے وفادار بن جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اپنی زندگی میں نافذ کرلو تو آج ساری دنیا تمہارے قدموں میں گرے، آج دنیا کو تلاش ہے ایسے انسانوں کی، جن کے اندر حق ہو، صداقت ہو، اور جو اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے جینے کا جذبہ رکھتے ہوں، دوسروں کیلئے مفید ثابت ہورہے ہوں، دوسروں کیلئے خیر خواہی کا جذبہ ان کے دل میں موج زن ہو۔ یہ دین کیا ہے؟ یہ اسلام کیا ہے؟ یہ ایک خیر خواہی کا دین ہے۔ اس کا نام ہی ''نصیحت'' (خیر خواہی اور وفاداری) ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الدین النصیحة" قالوا لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم" یعنی اللہ کے لئے بھی اور اس کے رسول کے لئے بھی اور اللہ کی کتاب کے لئے بھی خیر خواہی کا جذبہ۔ یہ کب ہوگا جب ہم پوری طرح مسلمان بن جائیں اور اپنی فکر سے زیادہ دوسروں کی فکر ہو۔ اپنی فکر تو اعمال اور ایک سچا پکا مسلمان بننے کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہو، مگر فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے دوسروں کی فکر کریں۔ جس حالت میں ہم ہیں اس سے بہتر حالت میں دوسروں کو دیکھنا چاہیں: "لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه"۔ تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لئے وہی نہ چاہے جو وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اپنے لئے ہم کیا پسند کرتے ہیں؟ عزت، عظمت، رحمت، نعمت، رضائے الٰہی، رزق میں وسعت و کشائش، کامیابی اور روشن مستقبل پسند کرتے ہیں۔ دوسروں کیلئے بھی ہمارا یہی جذبہ ہو کہ ہمارا بھائی بھی ترقی کرے، آگے بڑھے، یہ نہ ہو کہ ہم ترقی کریں اور دنیا چاہے جہاں جائے، لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے کیا مطلب؟ دنیا جہنم میں جائے، یہ کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے! یہ جذبہ کسی مسلمان کے اندر ہوگا؟ اور اگر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ایمان

کی تجدید کرے اور اپنے اسلام کا جائزہ لے۔

آج ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسوۂ حسنہ ہمیں عطا فرمایا ہے اس سے ہم بالکل بے گانہ ہیں، اور ہمیں اس کی فکر نہیں ہے کہ ہم اپنے اندر ایک مرتبہ غور کر کے دیکھ لیں کہ ہمارے اندر کون کون سی باتیں ایسی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں اور کون کون سی باتیں ایسی ہیں جن کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے، اپنے گرد و پیش کو بہتر بنانے کی فکر کیجئے۔ اپنے بھائیوں کی خبر گیری کیجئے، اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کیجئے۔ اور اس ملک کے اندر اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان بنا کر پیش کیجئے، برادران وطن آپ کی طرف متوجہ ہوں گے، وہ کہیں گے کہ یہ مسلمان ہیں، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ بے ایمانی نہیں کرتے، ان کے گھر کا ماحول بہت اچھا ہوتا ہے۔ جس طرح یہ اپنا اور اپنے بچوں کا خیال کرتے ہیں اس سے زیادہ دوسروں اور دوسروں کے بچوں کا خیال کرتے ہیں۔ اپنے محلے اور اپنے معاشرے کے اندر اپنا مال خرچ کر کے سدھار کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ فروتنی اور لوگوں کے ساتھ خاکساری سے پیش آتے ہوئے۔

آپ کو اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ اپنی زندگی کو نمونہ بنائیں۔ آپ کو دیکھ کر لوگ اس بات کی تمنا کریں کہ ہماری زندگی بھی ایسی ہو، ہمیں بھی یہ خوش حالی، بلندی، یہ خاکساری، یہ توکل، یہ اطمینان قلب، اور یہ امن و چین نصیب ہو۔

آج امن و عافیت کا مسئلہ کتنا پیچیدہ ہے۔ پوری دنیا مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک امن برپا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ کانفرنسوں پر کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ مشوروں پر مشورے ہو رہے ہیں، بڑے بڑے دانشور، بڑے بڑے مفکرین بلائے جا رہے ہیں کہ اس مسئلے پر غور کریں کہ کس طرح امن عالم برپا ہو۔ لیکن کہیں وہ نسخہ مل نہیں رہا ہے۔ ملے کہاں؟ وہ نسخہ تو مسلمانوں کے پاس ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا کی حالت دیکھئے! کیسی بدامنی تھی، لیکن اسلام کی آمد کے بعد ایسے امن اور سکون کی فضا قائم ہوئی کہ ایک بوڑھیا صحرا کے اندر مال و دولت لے کر تنہا سفر کرتی تھی، مگر کوئی ایسی للچائی ہوئی نگاہ

نہیں تھی، جو اسے کسی قسم کا نقصان پہنچا سکے، بلکہ نقصان پہونچانے کے بجائے اس کا ساتھ دیتے تھے، مدد کرتے تھے، منزل مقصود تک پہونچا دیتے تھے۔

آج جو بیماریاں، جو خرابیاں، جو برائیاں اور جو پریشانیاں ہیں اور آپ اور آپ کے مال و دولت کو جو خطرات درپیش ہیں، سب اس لئے ہیں کہ اسلام سے آپ کا تعلق کمزور ہو گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے آپ کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

میرے بھائیو!

آپ برا نہ مانیں، میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اس حقیقت کو بیان کرنے دیجئے، حقیقت تلخ ہوا کرتی ہے۔ میں آپ سے یہی عرض کروں گا کہ ہماری زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بسر ہونی چاہئے: لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة، لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيراً" کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی آدمی کو ضرورت ہو، اور وہ آپ کی زندگی کے اندر موجود نہ ہو۔

اس لئے اصل یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل طریقے پر پیروی کریں۔ اور اس کے لئے جو بھی کوششیں ہو سکتی ہوں وہ کریں، صرف صورت یا ظاہر میں مسلمان بننا نہ ہمارے لئے مفید ہے، نہ ہمارے ماحول کے لئے نفع بخش۔

ہم اپنے ماحول کو بلند تر بنا سکتے ہیں۔ اس ملک کو جہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑی ہے، اگر ہم چاہیں اور ایک ٹھوس اور سنجیدہ فیصلہ کر لیں تو پورے اس ملک کو اسلام کی روشنی سے منور، اور دین کی بے بہا دولت و نعمت سے مالا مال کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارے اندر کی کوششوں، ہمارے اندر کے جذبات اور ہمارے ایمان اور عزم و حوصلے پر موقوف ہے۔

ہم بلا وجہ دوسروں کا شکوہ کرتے ہیں کہ فلاں نے مارا، فلاں نے دبایا، فلاں نے حق تلفی کی۔ بالکل غلط ہے! نہ کوئی حکومت کسی کا حق مارتی ہے، نہ کوئی معاشرہ، نہ کوئی انسان! بلکہ انسان خود اپنا حق مارتا ہے، اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، جب ہم اپنے راستے سے ہٹ جائیں گے تو ذلیل ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہر طرح کی عزت و کامیابی صرف اور صرف اسی راستے

پر چلنے میں تھی جس سے ہم ہٹ گئے۔ دوسروں کو الزام دینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھئے کہ ہم اس بات کے حقدار تھے یا نہیں، ہمیں اس کی سزا ملنی چاہئے تھی یا نہیں!! ہم کو کوئی حکومت، کوئی پارٹی سزا نہیں دیتی، سزا ہم اپنے آپ کو خود کو دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی وہ دولت دی ہے، ہمیں اسلام کا وہ معجزہ عطا فرمایا ہے جس معجزے کے ذریعے ہم پوری دنیا کو اسلام کے سائے تلے اور ایمان کی روشنی میں لا سکتے ہیں۔ جتنے مسائل آج دنیا کے اندر ہیں، چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، سیاسی ہوں یا اقتصادی، ہم ان تمام مسائل کا حل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اور اس دنیا کو امن و عافیت کا گہواہ بنا سکتے ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

☆☆☆

عصر حاضر میں مطالعۂ سیرت کی اہمیت

آج کی یہ ترقی یافتہ دنیا جن سنگین حالات سے دوچار ہے، ان کا حتمی تقاضہ تمام اہل علم و عمل اور دعوت وفکر کے حاملین پر یہ ہے کہ وہ اس عظیم اور ابدی پیغام محمدی کو اپنا حرز جاں، اور سیرت نبوی کے مطالعہ کو اپنا مرکز اولین بنائیں، اور زوال آمادہ وفنا بردوش مادی تمدنوں، اور کھوکھلی تہذیبوں کی چلچلاتی تیز دھوپ کے اثر سے جھلستے ہوئے انسانی معاشروں کو، اس کے گھنے اور دراز سائے کی ہوا دیں، یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، اور آپ کی حیات طیبہ کے تابندہ و پائندہ نقوش، ہمیں انسانوں کی وضع کردہ تعلیمات اور جھوٹے نظریات سے بے نیاز کرتے ہیں، کیونکہ ان میں ان تمام مادی اور اخلاقی مشکلات اور پریشانیوں کا علاج اور کافی و شافی حل موجود ہے، جن سے آج دنیا دوچار اور ان کے چنگل میں گرفتار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، سب سے پہلے تو ایک مسلمان کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ہے، اس میں ایک کامیاب و فیروز مند انسان کی بہترین اور خوش حال انسانی زندگی کے لئے ایک عظیم اور مثالی نمونہ موجود ہے، نیز اس میں ان لوگوں کے لئے بھی اسوہ موجود ہے جو فوز وفلاح اور چین وسکون کی تمنا رکھتے ہیں، اور محبت وایمان کی لذت و حلاوت کے طالب، اور عزت وخوش حالی اور کامرانی شادکامی کے متمنی ہیں، آپ کی حیات طیبہ، ہر نوع کے انسانوں کے لئے اسوہ ہے، اور ہر پہلو سے ایک انسان کامل کے لئے بھرپور ومکمل نمونہ ہے، ایک ایسے بندہ کیلئے بھی جو اللہ تعالیٰ کی خالص محبت سے سرشار ولبریز ہے، اور اس انسان کیلئے بھی جو کسی کا باپ، کسی کا بھائی، کسی کا شوہر، کسی کا چاہنے والا اور کسی کا مربی ہے، ایک مجاہد اور غازی کے لئے بھی، ایک قائد وسپہ سالار اور معلم وحاکم کے لئے

بھی، آقا، مالک، دوست، ساتھی، رہبر اور ہادی، غرض کہ ہر ایک کے لئے آپ کی حیات طیبہ میں نمونہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيراً"

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

آج ایک مسلمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کے اسوہ حسنہ پر چلنے اور اس کو اپنانے کی دوسروں سے کہیں زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ آج مسلمانوں کی بے بسی و بیچارگی، ذلت وخواری، زبوں حالی و پسماندگی اور آپس کی ناچاقی و نا اتفاقی اور انتشار و اضطراب کا اصل سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے ان کی دوری اور اللہ کی اس عظیم نعمت کو جو اللہ نے آپؐ ہی کے واسطہ سے ان پر نازل فرمائی تھی اور ڈنکے کی چوٹ پر جس کے اتمام و اکمال کا اعلان فرمایا تھا اس سے غفلت و بے نیازی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

"اليوم أكملت لكم دينكم، وأتممت عليكم نعمتي، ورضيت لكم الإسلام ديناً"

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا، اور میں نے اسلام کو تمہارا دین (بننے کیلئے) پسند کیا۔

اور پھر سونے پر سہاگہ اس نعمت کے ساتھ اسلامی بھائی چارہ اور وحدت والفت کی نعمت بھی شامل کر دی گئی، جو اللہ نے مسلمانوں کو یاد دلائی ہے اور ان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کاموں اور ذمہ داریوں کے ہجوم اور کشمکش حیات میں پڑ کر اسے فراموش نہ کریں، فرمایا:

"واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداءً فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخواناً، وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها"

''اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، سو اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی۔''

مسلمانوں نے جب جب اللہ کی اس عظیم نعمت سے غفلت برتی اور اسے فراموش کیا ان کے اندر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے، لڑنے جھگڑنے اور نا اتفاقی و ناچاقی اور انتشار و پھوٹ کی سابقہ تمام بیماریاں لوٹ آئیں، اور وہ جاہلیت کی گود میں جا پڑے، پھر ان سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہوئیں، اور ایسی باتیں ان کی طرف سے پیش آئیں جن کی توجیہ و تاویل کرنے سے عقلیں عاجز و قاصر ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے دشمنان خدا کو اپنا دوست بنالیا، اور اپنے ضمیر اور دین کا سودا کرنے لگے، اور اس میں کوئی عار نہیں محسوس کیا اور اس سے ذرا نہیں شرمائے، اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ لوگ انہیں اپنے گھٹیا مقاصد پورے کرنے کا آلہ کار بنائیں، یا کسی مسلمان ملک کی سلامتی یا کسی دینی عقیدہ کے تحفظ و صیانت کے خلاف سازش کرنے میں ان سے مدد لیں۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی
اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝